(پانچ ایکٹ کا تاریخی ڈراما)

از

## محمد فضل الرحمٰن

ناشر: انجمن ترقی اردو — حیدرآباد دکن

طبع اول ۱۹۵۶ء

قیمت: دو روپیے

# مختصر حالاتِ مصنّف

نام ۔ محمد فضلُ الرحمٰن

پیدائش ۔ حیدرآباد دکن ۔ نومبر ۱۹۰۱ء

تعلیم ۔ نظام کالج حیدرآباد ۔ دکن کالج پونا

بی اے (آنرس) جامعہ بمبئی ۔ فیلو دکن کالج

سابق لکچرار سٹی کالج عثمانیہ یونیورسٹی ۔ ناظم لاسلکی و ناظم تعلیمات حکومت حیدرآباد

پتہ ۔ بنجارہ ہل ۔ حیدرآباد دکن

## مصنّف کی دوسری کتابیں

| | |
|---|---|
| ۱ ۔ ظاہر باطن | ڈراما |
| ۲ ۔ نئی روشنی | 〃 |
| ۳ ۔ حشرات الارض | 〃 |
| ۴ ۔ آئندہ زمانہ | 〃 |
| ۵ ۔ کارخانہ | 〃 |
| ۶ ۔ دھوپ چھاؤں | منظومات |
| ۷ ۔ نقشِ حیات | 〃 |
| ۸ ۔ گوتم بدھ | طویل نظم |
| ۹ ۔ سقراط | ڈراما |

نوٹ ۔ اس کتاب کے جملہ حقوق محفوظ ہیں ۔ اسکی طباعت اشاعت یا ریڈیو اسٹیج اور فلم کے ذریعہ پیشکشی سے قبل مصنف کی اجازت حاصل فرمالی جائے ۔

# کہنے کی بات

آج سے چوبیس سال پہلے میں نے " انجمن ترقی ڈراما " حیدرآباد کے لیئے ایک مزاحیہ سوشیل ڈراما "ظاہر باطن" لکھا تھا جس کا پلاٹ شیریڈن کی مشہور کامیڈی "دی اسکول فار اسکانڈل" سے لیا گیا تھا۔ پھر کچھ عرصے کے بعد اسی انجمن کے لیئے دوسرا مزاحیہ ڈراما "نئی روشنی" لکھا گیا جس کا پلاٹ بھی شیریڈن کی دوسری مقبول عام کامیڈی "دی رائی ولس" سے اخذ کیا گیا تھا۔ انجمن مذکور نے جس شاندار اہتمام اور کامیابی کے ساتھ ان ڈراموں کو اسٹیج پر پیش کیا اس کی یاد ابھی تک تازہ ہے۔ اسکے علاوہ یہ دونوں ڈرامے شہر کے مختلف اداروں ادبی انجمنوں اور کالجوں کی طرف سے متعدد بار اسٹیج پر دکھائے گئے اور نئی روشنی کے کئی سین دہلی اور حیدرآباد ریڈیو سے براڈکاسٹ بھی کیے گئے۔ اس سلسلے میں دو سال پہلے انجمن ترقی حیدرآباد کے شعبہ ڈراما نے ریاستی اردو کانفرنس کے پروگرام کے تحت "ظاہر باطن" کے چند معیاری شو دکھائے اور پھر اسی انجمن نے نومبر ۱۹۵۴ء میں کل ہند ڈراما فیسٹیول منعقدہ نئی دہلی میں "نئی روشنی" کا ڈراما بڑے اعلیٰ پیمانہ پر پیش کیا جسکی تعریفیں ہندوستان کے اکثر ممتاز اخباروں میں چھپ چکی ہیں

مجھے یہ کہنے میں پس و پیش نہیں کہ میرے دوسرے ڈراموں کو وہ مقبولیت حاصل نہ ہو سکی جو ان دو ڈراموں کو حاصل ہوئی۔ اس کا سبب وہ فنی کمزوریاں تھیں جن کو دور کیے بغیر کوئی اسٹیج ڈراما خاطر خواہ طور پر کامیاب نہیں ہو سکتا۔ کئی خامیوں کے باوجود شاید کچھ خوبیاں بھی تھیں جن کی وجہہ سے میرے دوسرے ڈرامے بھی جنکی تفصیل علٰحدہ بتائی گئی ہے نہ صرف بعض ادبی انجمنوں کی طرف سے اسٹیج پر دکھائے گئے بلکہ چند ضروری تبدیلیوں کے بعد ریڈیو پر نشر بھی کیے گئے۔ البتہ مصنف کا تاریخی ڈراما "سقراط" جو ۱۹۵۴ء میں انجمن ترقی اردو کی طرف سے شائع کیا گیا تھا ابھی تک نہ تو اسٹیج پر پیش

کیا گیا ہے اور نہ ریڈیو پر۔

تاریخی ڈراموں کی غیر معمولی افادیت کے پیش نظر اب "چنگیز" شائع کیا جا رہا ہے نسل کشی کے اس دور کی عکاسی جس سے سات سو سال پہلے یورپ اور ایشیا پر قیامت ڈھا دی تھی کوئی آسان کام نہ تھا۔ پھر بھی اس بات کی مقدور بھر کوشش کی گئی ہے کہ اس عالمگیر المیہ کے کم از کم دو چار منظر ڈراما کے سانچے میں ڈھالے جائیں اس تصنیف میں تقریباً تمام اہم واقعات اور کردار تاریخی ہیں۔ ساتھ ہی چند ایسے واقعات اور کردار بھی جو ڈراما نویس کے ذہن کی ایجاد ہیں فنی ضروریات کے تحت شامل کر دیے گئے ہیں اس قسم کی بدعت جس سے بہت زیادہ نامور ادیبوں سے سرزد ہوئی ہے اس لیئے توقع ہے کہ پڑھنے والے اسے نظر انداز فرمادیں گے۔

آخر میں میں انجمن ترقی اردو حیدرآباد کی مجلس انتظامی کے فاضل اراکین اور عہدہ داروں کا تہ دل سے شکر گذار ہوں کہ انہوں نے اس تصنیف کی اشاعت کا ذمہ لیا۔

فضل الرحمٰن

بنجارہ ہل حیدرآباد دکن
یکم فبروری ۱۹۵۶ء

# اشخاصِ ڈراما

چنگیز خاں ۔ تاتاریوں کا خاقان ۔ مشہور ظالم شہنشاہ ۔ عمر ۶۵ سال

ملکہ کلاں خاتون ۔ چنگیز کی ایک رحمدل بیوی ۔ عمر ۳۰ سال ۔

جوجی
تولی
اوگدائی

چنگیز کے فرزند ۔ پہلی بیوی ملکہ بورتہ کے بطن سے
عمریں تقریباً ۳۲ ۔ ۳۱ اور ۳۰ سال

مکریت ۔ ملکہ کلاں خاتون کا چاہنے والا ۔ خانماں خراب عاشق عمر ۳۵ سال

بغورچی ۔ چنگیز کا لڑکپن کا ساتھی ۔

سوابدائی بہادر ۔ تاتاری لشکر کا سپہ سالار ۔

جبی نویان ۔ تاتاری لشکر کا دوسرا سپہ سالار

لیوچتائی ۔ ملک خطا کا دانشمند ۔ چنگیز کا وزیر

تھرو بریک ۔ فرنگی راہب ۔ نام نہاد ایلچی ۔ نیک مزاج مسخرا ۔

سلطان علاء الدین خوارزم شاہ ۔ ترکی قوم کا ایک ممتاز فرماں روا عمر ۵۴ سال

جلال الدین ۔ علاء الدین خوارزم شاہ کا ولی عہد ۔ سرفروش وطن پرست
عمر ۲۵ سال ۔

اوزبک ۔ خوارزم شاہی فوج کا ایک افسرِ اعلیٰ ۔

مولانا نور الدین ۔ سلطان کے محکمہ خبر رسانی کے صدر ۔

مرزا احسان ۔ بخارا کے ایک دولتمند تاجر ۔ عمر ۶۰ سال

تحسین ۔ مرزا احسان کا اکلوتا لڑکا۔ آزاد خیال نوجوان عمر ۲۵ سال

فرحانہ ۔ تحسین کی مہ جبین بیوی عمر ۲۰ سال۔

(چنگیز خان کے ایلچی۔ لشکر کے سپاہی۔ خوارزم شاہ کے افسر بخارا
کی رقاصائیں نوکر چاکر وغیرہ)

زمانہ ——————— تیرھویں صدی عیسوی

١

# مقامات

(۱) قراقورم ۔ دشت گوبی میں چنگیز کا پائے تخت
(۲) بخارا ۔ خوارزم شاہی سلطنت کا ایک مشہور شہر
(۳) بحر خزر کا ایک غیر آباد جزیرہ ۔

* * *

# مناظر

(۱) پہلا ایکٹ پہلا سین ۔ قراقورم میں چنگیز کا محل ۔
(۲) پہلا ایکٹ دوسرا سین ۔ قراقورم کا راستہ
(۳) دوسرا ایکٹ پہلا سین ۔ بخارا میں مرزا احسان کے مکان کا زنانہ حصہ ۔
(۴) دوسرا ایکٹ دوسرا سین ۔ بخارا میں سلطان علاء الدین کے محل کا خانہ باغ
(۵) تیسرا ایکٹ پہلا سین ۔ قراقورم کے باہر کا میدان
(۶) تیسرا ایکٹ دوسرا سین ۔ قراقورم میں ملکہ کلاں خاتون کا خیمہ ۔
(۷) چوتھا ایکٹ پہلا سین ۔ بخارا سے دور میدان جنگ کا ایک حصہ
(۸) چوتھا ایکٹ دوسرا سین ۔ ملکہ کلاں خاتون کے محل کا برآمدہ ۔
(۹) چوتھا ایکٹ تیسرا سین ۔ مرزا احسان کے مکان کا برآمدہ ۔

❖ ❖ ❖

# پہلا ایکٹ

## پہلا سین

(دشت گوبی میں چنگیز خان کے پائے تخت شہر قراقورم کا وہ حصہ جہاں شاہی خیمہ نصب ہے۔ چنگیز خیمہ کے وسط میں ایک زرنگار تخت پر بیٹھا ہے۔ خاقان کے پہلو میں دائیں جانب کسی قدر نشیب میں ملکہ کلاں خاتون کی نشست ہے چنگیز کے جسم پر زرین پوشاک اور سر پر سنہری کام کیا ہوا کنٹوپ ہے۔ تھوڑی پر لمبی سرخ داڑھی۔ لبوں پر گھنی موچھیں۔ چہرہ چوڑا آنکھیں گول گفتگو کا لہجہ سخت اور آواز کرخت ہے مجموعی طور پر سارے خدائی کروفر کے باوجود دیکھنے والوں کی آنکھوں میں وہ ایک مضحک انسان ہے ملکہ زرق برق لباس اور زیور سے لدی ہوئی ہے۔ سر پر مخروط کلاہ تمد جس پر چاروں طرف ریشم مڑا ہے۔ گلے میں قیمتی موتیوں کے ہار۔ انگلیوں میں بڑے بڑے ہیروں کی انگوٹھیاں چار بچوں کی ماں بننے پر بھی ملکہ کے حسین چہرے پر جوانی کی وہی رعنائیاں باقی ہیں جن کی خاطر کبھی قبیلوں کے درمیان خون خرابے ہوا کرتے تھے۔ خاقان اور ملکہ کی داہنی جانب شہزادوں کی نشستیں ہیں، ان میں جوجی، تولی اور اوگدائی اس وقت موجود ہیں۔ ان سب کا لباس کم و بیش اسی قسم کا ہے جیسا کہ خاقان کا۔ بائیں جانب چنگیزی لشکر کے بڑے بڑے سردار سوابدائی بہادر جبی نویان اور بغورچی شہزادوں کے مقابل ادب سے دو زانو بیٹھے ہیں۔ ان سرداروں کی ہیئت کچھ عجیب سی ہے سوابدائی بہادر کانا اور لولا ہے

جی نویان خوفناک شکل کا اور بغورچی من چلا سا ہے۔ سب سرداروں کے جسم پر اونی لبادے ہیں۔ اور کمریں قیمتی شالوں سے کسی ہوئی ہیں۔ سروں پر سمور کی کھالوں سے بنی ہوئی ٹوپیاں ہیں۔ شہزادوں اور سرداروں کے پیچھے پہرہ دار ہاتھوں میں گرز لیے ہوئے کھڑے ہیں۔

تخت شاہی کے قریب چانول کی شراب۔ مختلف قسم کے میوے اور طرح طرح کی مٹھائیاں چنی ہوئی ہیں۔ جس وقت پردہ اٹھتا ہے چنگیز مذاق سے بغورچی کو انجیر پھینک پھینک کر مار رہا ہے)

بغورچی۔ (دونوں ہاتھ جیسے دعا کے لیے اٹھا کر) شکر ہے مالک تیرا۔

چنگیز۔ (دوبارہ بغورچی کو انجیر پھینک کر مارتے ہوئے) ہا ہا ہا۔

بغورچی۔ (پھر اسی طرح دونوں ہاتھ اٹھا کر) مالک تیرا شکر ہے۔

چنگیز۔ (تیسری بار پھر بغورچی پر انجیر پھینکتے ہوئے) ہا ہا ہا ہا

بغورچی۔ (اسی انداز میں آسمان کی طرف دیکھ کر) شکر ہے تیرا مالک۔

چنگیز۔ بغورچی ہم تمہیں انجیر سے مارتے ہیں تو تم شکر کیوں ادا کرتے ہو۔

بغورچی۔ (شال سے مونہہ پونچھتے ہوئے) خداوند میں اس لیے خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ آپ کے قریب انجیروں کی رکابی رکھی ہے۔ اگر کہیں اس کی جگہ سیب ہوتے تو میرے سر کی کیا گت بنتی۔

چنگیز۔ خوب کہا ہے۔ بہت خوب کہا ہے۔

بغورچی۔ اور میں خدا کا شکر ادا کرنے کے لیے جو ہاتھ اٹھاتا تھا وہ اصل میں آپ ہی کا شکریہ ادا کرتا تھا۔

چنگیز۔ بے شک۔ میں اگر تمہارا سر پھوڑنا چاہتا تو خدا بھی تمہیں نہ بچا سکتا۔

بغورچی۔ آپ ہمارے خدائے مجازی ہیں۔ جو چاہیں کر سکتے ہیں۔

جبی نویان ۔ آسمان پر خدا ہے اور زمین پر خاقان۔
سوابدائی بہادر ۔ ہمارا خاقان خدا سے الگ رہکر بھی الگ نہیں۔
بغورچی ۔ یہہ سچ ہے ۔ آخر بادشاہ خدا ہی کا تو سایہ ہے ۔ سایہ جسم سے کیسے الگ رہ سکتا ہے۔
سوابدائی بہادر ۔ اسی لیے ہمارا عقیدہ ہے کہ بادشاہ خدا کے برابر ہے۔
جبی نویان ۔ خدا کے برابر بلکہ خدا سے بڑھکر ۔ ایک صحرائی قوم کو جو صدیوں سے گلّے چرا کر گذر بسر کرتی تھی چند سال میں بڑی بڑی مہذب قوموں کا حکمران بنا دینا خدا کی قدرت سے بھی شاید ممکن نہ ہوتا ۔
چنگیز ۔ (خوش ہوکر) وہ زمانہ یاد ہے جب میں دنیا پر حکمرانی کے خیالی محل بنایا کرتا تھا ۔ اور دنیا والے میری ہنسی اڑاتے تھے لیکن آج میں اپنی دنیا والوں کی دھجیاں اڑا سکتا ہوں۔
جوجی ۔ حاسدوں کو معلوم ہو چکا روئے زمین کا مالک کون ہے ۔
تولی ۔ خاقان کے اقبال سے بھیڑ بکریاں چرانے والے قوموں کی گلّہ بانی کر رہے ہیں۔
اوگدائی ۔ چند سال پہلے کسی کے خواب وخیال میں تک ایسی کایا پلٹ نہیں آسکتی تھی ۔
بغورچی ۔ سلطنت خطا ہی کو لیجیے ۔ کون کہہ سکتا تھا کہ دشت گوبی کے نادار خانہ بدوش دنیا کی سب سے دولتمند اقلیم کو آن کی آن میں تہس نہس کر دینگے ۔
سوابدی بہادر ۔ اور اس اورنگ اژدر کو جس پر آسمان سے اترے ہوے فرمانروا بیٹھتے تھے خاقان کے دربار کے ادنیٰ زمین بوس اپنی ٹھوکر سے الٹ دینگے ۔
جبی نویان ۔ دنیا کا سب سے بڑا کرشمہ ہے۔
بغورچی ۔ دنیا کا سب سے بڑا معجزہ ہے۔
سوابدی بہادر ۔ اور پھر جو لوگ ہمیشہ ایک دوسرے کا مال لوٹتے اور ایک دوسرے کے گلے

کاٹتے تھے انھیں ایسا شیر و شکر کر دینا کہ لاکھوں انسان ایک جسم کی طرح حرکت کرنے لگیں انسانوں کے خالق کے لیے بھی حیرت میں ڈالنے والا کارنامہ ہے

چنگیز ۔ (اس خوشامد سے خوش ہو کر) یہہ کارنامہ کیسے ممکن ہوا جانتے ہو۔ یہہ آپس کا ایکہ اور نہ ٹوٹنے والی طاقت ۔ یہ سب یاسا کی بدولت ہے ۔ جب تک تم یاسا کے پابند رہوگے دنیا میں تمہارا سر اونچا رہے گا جس دن تم نے اس دستور سے منہ موڑا اس دن دوسری قوموں کی طرح تمہارا بھی خاتمہ ہو جائیگا

جوجی ۔ خدا نہ کرے کہ ہمیں وہ روز بد دیکھنا پڑے ۔ وقت پڑنے پر ہم اپنی جانیں قربان کر دیں گے لیکن اپنی قوم کی زندگی کو دھکا پہنچنے نہ دیں گے ۔

تولی ۔ اور قوم کا سردار جو حکم دے گا اسے خدا کا حکم سمجھ کر بجالا ئینگے ۔

چنگیز ۔ میں اپنے شاہین بچوں سے ایسی ہی توقع رکھتا ہوں ۔

جی نویان ۔ (اپنی جگہ سے اٹھکر تخت کو بوسہ دیتے ہوئے) میں آج اس تخت کی قسم کھاتا ہوں کہ اپنے مالک کی خدمت میں خون کا آخری قطرہ بہا دوں گا ۔

سوابدی بہادر ۔ (کھڑا ہو کر) اور میں دشمنوں کو نیچا دکھانے کے لیئے آخر دم تک دن کا چین رات کی نیند حرام کر کے وشت و دریا میں تہلکہ مچا دوں گا ۔

بغورچی ۔ (تخت کے قریب جا کر) اور میں ہر قسم کی بلاؤں سے خاقان کی اس طرح حفاظت کرونگا جس طرح خیموں کے پردے اندر بیٹھنے والوں کو باہر کی طوفانی ہواؤں سے بچاتے ہیں ۔

چنگیز ۔ وفاداری کے یہ جذبات قابل قدر ہیں لیکن ایک بات یاد رہے ۔ چاہے کتنی ہی فتوحات ہوں ۔ آدمی کبھی مغرور نہ ہو ۔ مغرور کا سر ہمیشہ نیچا ہو کے رہا ہے ۔ ( اکڑ کر ) فوارے کو دیکھو جوں ہی وہ آپے سے باہر ہو کر اچھل جاتا ہے کس طرح فوراً سر کے بل گر پڑتا ہے

سب سردار اور شہزادے } بجا۔ درست۔ لاجواب مثال ہے۔ وحی ہے وحی۔ الہام کے بغیر ایسے خیالات کسی کے ذہن میں نہیں آسکتے۔

(چنگیز جوش میں تخت سے نیچے اترتا ہے۔ اور ساتھ ہی تینوں شہزادے جواب تک بیٹھے تھے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں)

چنگیز ۔ ملکہ جانتی ہیں اور ہمارے بچپن کا ساتھی بغورچی بھی ناواقف نہیں کہ اس تاج وتخت کا مالک بننے سے پہلے میں کیا تھا۔ ایک بے یارومددگار لڑکا جسکے باپ کو زہر دے دیا گیا۔ جسکے بھائی بندوں کو فاقے کرائے گئے اور خود جسے قید میں طرح طرح کی ایذائیں دی گئیں۔

ملکہ ۔ (اپنی جگہ بیٹھے ہوے رکھائی سے) میں جانتی ہوں۔ ہم سب جانتے ہیں آپ وہ واقعات کئی بار سنا چکے ہیں۔

چنگیز ۔ (ملکہ کی طرف دھیان نہ دیکر) ایک بے یارومددگار لڑکا جسکے قبیلے والے خود اس کی جان کے درپے ہوگئے تھے اور جو حریفوں کے درمیان چاروں طرف خطروں سے اس طرح گھر گیا تھا جیسے شکاری کتوں کے بیچ میں جنگل کا خرگوش۔

بغورچی ۔ وہ شکاری کتنے آپ اپنی موت کا شکار ہوگئے۔

چنگیز ۔ اگر زندگی کی جدوجہد میں میرا آہنی ارادہ میرا ساتھ نہ دیتا تو میں بھی انہی کی مانند اجل کا نوالہ بن گیا ہوتا۔

بغورچی ۔ جہاں پناہ کیسی ہی مصیبتیں کیوں نہ ہوں۔ آپ پر آنچ نہیں آسکتی۔ آپ دیوتاؤں کی اولاد ہیں۔

چنگیز ۔ (فخریہ انداز میں) دیوتاؤں کی اولاد تو ہوں لیکن یہہ دیکھو میں خود دیوتا کیسے بن گیا۔ کتنے معرکوں میں سر دھڑ کی بازی لگا دی۔ کتنی لڑائیوں میں

جان پر کھیل گیا۔

ملکہ ۔ (تیوری پر بل ڈالکر) اف۔ ہر بار وہی لڑائی کا تذکرہ۔

چنگیز ۔ (ملکہ کی پرواہ نہ کرکے) کتنی تکلیفیں سہیں۔

ملکہ ۔ اب ان تکلیفوں کی یاد تازہ کرنے سے کیا فائدہ۔

چنگیز ۔ وہی تکلیفیں تو ساری راحتوں کا سبب بنیں۔ کیسی آزمایش کے دن تھے تم کو بھی تو دشمنوں نے مجھ سے جدا کر دیا تھا۔

ملکہ ۔ تو اس میں میرا کیا قصور تھا۔ (خفگی سے) آپ ہر وقت مجھے یوں ہی طعنے دیتے رہتے ہیں۔ گویا میں بھی اس سازش میں شریک تھی۔

چنگیز ۔ تم نہ سہی تمہارے بھائیوں نے تو میرے خلاف سازش کی تھی۔ وہ بڑا بھائی جو بڑا شامان بنا پیغمبری کا دعوی کرتا تھا۔ اور وہ چھوٹا بھائی جو اپنے چھوٹے سے سر پر تاج رکھنے کے خبط میں مبتلا تھا۔ اگر میں ان بدبختوں کا کام تمام نہ کر دیتا تو آج میری جگہہ وہ اس تخت پر بیٹھ کر مزے اڑاتے......

(آخری جملہ کہتے ہوئے چنگیز تخت پر بیٹھ جاتا ہے۔ دو سپاہی ایک قیدی کو لیے آتے ہیں جو اپنی وضع قطع اور لباس سے چین کا باشندہ معلوم ہوتا ہے)

یہہ کون ہے؟

پہلا سپاہی ۔ حضور یہہ ملک خطا کا رہنے والا ہے۔

چنگیز ۔ تو اس نے کیا خطا کی۔

دوسرا سپاہی ۔ یہہ ہم سے کہہ رہا تھا کہ ہم اس کے مالک کی جان بخش دیں اور اس کے بدلے اس کی اپنی جان لے لیں۔

قیدی ۔ میرے باپ دادا اور میرے گھرانے کے سب آدمی پشتوں سے جس کا نمک کھاتے ہیں اسکی جان بچانے کے لیے اپنی جان نذر نہ کرتا تو اور کیا کرتا۔

چنگیز ۔ تمہاری جاں نثاری قابل تعریف ہے ۔
قیدی ۔ اس جاں نثاری کا صلہ ملنا چاہئے نہ کہ سزا ۔
چنگیز ۔ (کچھہ سوچ کر) اگر میں تمہاری جان بخشی کر دوں تو کیا تم اسی طرح میرے وفادار رہو گے جس طرح کہ اپنے سابق مالک کے نمک حلال نوکر رہے ہو ۔
قیدی ۔ غلام جس کا نمک کھائے گا اس کا حق نمک ادا کریگا ۔
چنگیز ۔ (سپاہیوں سے) اس کو چھوڑ دو ۔ (سپاہی جلدی سے قیدی کے ہاتھوں کی زنجیر کھولدیتے ہیں)
قیدی ۔ اس لطف خاص کا کس منہہ سے شکریہ ادا کیا جائے ۔
سوابدائی بہادر ۔ جہاں پناہ سے زیادہ روئے زمین پر کوئی رحم دل بادشاہ نہیں ۔
بغورچی ۔ رحم اس کی گھٹی میں پڑا ہے ۔ یہہ حاکم رحم مادر سے رحمدلی کا جذبہ لیکر پیدا ہوا ہے
جبی نویان ۔ رحم دل حاکم تو بہت گذرے ہیں لیکن دوست دشمن کے دلوں پر اس طرح کسی نے آج تک حکومت نہیں کی ۔
چنگیز ۔ کہو جی ۔ تمہارا کیا نام ہے ۔
قیدی ۔ مجھے لیوچیتائی کہتے ہیں ۔ لیوچیتائی ۔ میں کالاچین کا شہزادہ ہوں ۔
چنگیز ۔ پیلا چین تو میں فتح کر چکا ہوں ۔ یہہ کالاچین کون سا ملک ہے ۔
لیوچیتائی ۔ اس ملک کا ایک حصہ ہے جسے لوگ ملک خطا یا چین کہتے ہیں ۔
چنگیز ۔ کہیں لال چین اور سفید چین بھی ہے ؟ ۔ چیولستائی ۔
لیوچیتائی ۔ حضور ۔ چیولستائی نہیں ۔ لیوچیتائی ۔ میرا نام لیوچیتائی ہے ۔
جبی نویان ۔ (برہم ہوکر) ادب سے ۔ خاقان کے آگے گستاخی کرو گے تو زبان کاٹ لی جائے گی ۔
چنگیز ۔ نہیں نہیں ۔ جبی نویان ۔ یہہ اجنبی شہزادہ یا تو دربار کے رسم و آئین سے

واقف نہیں یا پھر رعب شاہی سے بوکھلا گیا ہے۔

سوابدی بہادر۔ اجنبی یاد رکھ اس دربار میں جو کچھ خاقان کے منہ سے نکلے وہ حکم خدا کا درجہ رکھتا ہے۔ کوئی فرد بشر ایک لفظ بھی اپنی طرف سے گھٹا بڑھا نہیں سکتا۔

ملکہ ۔ لیوچینتائی۔ تمہارے ملک کی تصویریں مجھے بہت پسند ہیں۔ کیا تم بھی تصویریں بنا سکتے ہو۔ خوبصورت تصویریں جن کے رنگوں سے اصلیت کے چہرے کا حسن دوبالا ہو جائے۔

لیوچینتائی ۔ ملکہ۔ میں تصویریں بنانا نہیں جانتا۔

جوچی ۔ چین کی تصویروں سے زیادہ چین کے برتنوں میں نقاشی کا کمال نظر آتا ہے۔ فغفور کے سامان میں ایک شہ کاسہ ملا تھا جس پر ایسے نقش و نگار تھے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔

اوگدائی ۔ چین کے پایہ تخت میں چند نایاب رکابیاں اردیسوں کے ہاتھ لگی تھیں جن میں کھانا ڈالو تو چوبیس گھنٹے گرم رہتا ہے۔

تولی ۔ حیرت ہے۔

بغورچی ۔ اس سے بھی زیادہ حیرت ناک وہ پیالے ہیں جن میں زہر ملا ہوا کھانا ڈالو تو فوراً پیالوں کا رنگ بدل جاتا ہے اور کھانے والے کو پہلے ہی سے آگاہی ہو جاتی ہے

چنگیز ۔ یہ تو بڑے کام کی چیز ہے۔ آئندہ سے ما بدولت صرف انہی پیالوں میں کھائیں گے۔ ہمیں نہیں معلوم تھا کہ اہل خطا اتنے ہنر مند ہیں۔

جی نویان ۔ خطا کے ہنرمندوں نے اور بہتیری نادر چیزیں ایجاد کی ہیں۔ گندک سے وہ ایک بکنی بناتے ہیں جسے ہنڈیوں میں بھر کے پھینکنے سے آگ نکلتی ہے وہاں کے لوگ اسے آتش بازی کہتے ہیں۔

چنگیز ۔ میں اسے آتش باری کے لیئے کام میں لاؤنگا۔ واہ۔ واہ۔ بہترین ایجاد ہے

شہروں کو جلانے کے لیے اس سے بہتر ہتھیار نہیں مل سکتا۔ جب یہ ہوا میں چھوٹے گا تو مدمقابل کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں گی۔

لیوچیتسائی ۔ میرے ہم وطن اسے صرف کھیل تماشوں کے واسطے بناتے ہیں۔ آدمیوں پر پھینکنے کی اجازت نہیں۔

چنگیز ۔ تمہارے ہم وطن بے وقوف ہیں۔ اس لیے تمہارا وطن آسانی سے فتح ہو گیا۔

جبی نویان ۔ حضور۔ ان کے ہم وطن اتنے احمق ہیں کہ دشمن کے زخمیوں کو جان سے مارنے کے بجائے الٹے انکی مرہم پٹی کرتے ہیں۔

چنگیز ۔ (لیوچیتسائی سے) کیا یہ صحیح ہے۔

لیوچیتسائی ۔ بالکل صحیح ہے۔ زخمی ہی نہیں تمام بیمار قیدیوں کو اچھا کرنے کے لیے بھی طبیبوں کے خاص دستے ہوتے ہیں۔ میں خود محاذ پر یہ فرائض انجام دے چکا ہوں۔

اوگدائی ۔ تم طبیب ہو؟

لیوچیتسائی ۔ جی ہاں۔

اوگدائی ۔ میں بھی اس فن سے دلچسپی رکھتا ہوں۔

تولی ۔ اکثر طبیب نجوم جانتے ہیں۔ کیا تم ستاروں کی گردشوں سے انسانوں کی آیندہ زندگی کا حال بتا سکتے ہو؟

لیوچیتسائی ۔ بتا سکتا ہوں۔

چنگیز ۔ چیولتسائی۔ تم طبیب بھی ہو اور نجومی بھی؟

لیوچیتسائی ۔ جہاں پناہ۔ چیولتسائی نہیں لیوچیتسائی۔

چنگیز ۔ لیوچیتسائی۔ تم نجوم اور طب دونوں فن جانتے ہو؟

لیوچیتسائی ۔ سرکار کے اقبال سے۔

چنگیز ۔ آیندہ تم ہمارے دربار میں آیا کرو۔ (لیوچیتسائی جھک کر آداب شاہی

بجا لاتا ہے ) کئی دن سے ہمیں ایک ایسے شخص کی تلاش تھی جو ملک خطا
کے انتظام کے بارے میں مفید مشورے دیا کرے۔ تم وہاں کے شہزادے
ہو۔ تم سے زیادہ اس کام کے لیے کوئی موزوں نہیں ہو سکتا۔

لیو چتسائی ۔ حضور کی مہربانی ہے ۔ اپنے ملک سے متعلق فدوی کی صرف ایک گذارش
ہے۔ ( ملکہ کے اشارے پر خدمت گذار میوہ اور مٹھائیوں کی کشتیاں
اٹھا کر لیجانا چاہتے ہیں )

چنگیز ۔ (کڑک کر) یہہ کشتیاں کس کے حکم سے اٹھا رہے ہو نکلو یہاں سے
نالائقو ۔

خدمت گار ۔ حضور ۔ ملکہ نے حکم دیا تھا کہ .....

چنگیز ۔ (اور بھی کڑک کر) میں تمہیں حکم دیتا ہوں مت لیجاؤ ۔ بدمعاش کہیں کے۔
تم سب سولی پر لٹکانے کے قابل ہو ۔ جاؤ منہہ کالا کرو۔
(نوکر کشتیاں رکھ کر چپ کے سے دبے پاؤں چلے جاتے ہیں چنگیز شراب کا
ایک گھونٹ پی کر کچھہ مٹھائی پھانک لیتا ہے )

چنگیز ۔ ہاں تو لیو چتسائی تم کیا کہہ رہے تھے۔

لیو چتسائی ۔ جان بخشی ہو تو فدوی کی ایک عرض ہے۔

چنگیز ۔ اجازت ہے۔

لیو چتسائی ۔ میرے وطن کی آدھی آبادی اس جنگ میں تلف ہو چکی ۔ اب جو بچ گئے ہیں
ان میں ایک بھی سپاہی نہیں۔ سب کے سب یا تو زمین جوتنے والے کسان
یا اہل حرفہ اور کاریگر ہیں۔

جبی نویان ۔ یہی کسان اور کاریگر وقت پڑنے پر ہمارے خلاف تلوار اٹھا سکتے ہیں ۔

چنگیز ۔ (ڈانٹ کر) جبی نویان ۔ تم بیچ میں مت بولو۔ نئے وزیر کو اپنا جملہ ختم کر لینے دو۔

سوابدائی بہادر۔ کیا یہہ چینی قیدی سلطنت کا وزیر ہوگا۔

چنگیز ۔ ہاں یہہ چینی شہزادہ ہمارا وزیر ہوگا۔

جبی نویان ۔ (بڑبڑاتے ہوے) تلوار چلانے والوں میں کتاب کے کیڑے کا کیا کام۔ گھر میں بیٹھ کے قلم چلانے سے کہیں قلمرو فتح ہوتی ہے۔

لیوچیتسائی ۔ اُرخان صاحب۔ تلوار تو ہر سپاہی چلا سکتا ہے۔ لیکن قلم چلانے کے لیے بڑے بڑے دانشوروں کو برسوں ریاض کرنا پڑتا ہے۔

جبی نویان ۔ طوطے مینا کی طرح رٹ کر علم سیکھنا کچھہ اور شے ہے عقل رکھنا کچھہ اور چیز

لیوچیتسائی ۔ علم ہی سے تو آدمی آدمی بنتا ہے۔ ورنہ نری عقل تو لومڑیوں اور بھیڑیوں میں بھی پائی جاتی ہے۔ انسانوں کی کیا خصوصیت ہے۔

چنگیز ۔ خوب نکتے پیدا کیے ہیں تم دونوں نے۔ ہر ایک اپنی اپنی جگہ لاجواب فقرہ ہے۔ اہل قلم اور اہل شمشیر کا اس سے بہتر مقابلہ نہیں ہوسکتا۔ (لیوچیتسائی سے) اس کے صلے میں تمہیں زمرد اور یاقوت سے بنی ہوی قلم اور (جبی نویان سے) تمکو ہیرے جواہر جڑی ہوی ایک شمشیر انعام دی جاتی ہے۔

لیوچیتسائی ۔ سرفرازی ہے۔

جبی نویان ۔ ذرہ نوازی ہے۔

چنگیز ۔ تم اپنے وطن کے بارے میں کچھہ بیان کر رہے تھے۔

لیوچیتسائی ۔ میں عرض کر رہا تھا کہ میرے وطن میں جتنے کسان اور کاریگر رہ گئے ہیں یہہ سب خاقان کی رعایا بن چکے ہیں۔ اب اگر انھیں بھی شاہی لشکر تہ تیغ کردے تو پھر قراقرم کے گوداموں کو غلہ سے کون بھر سکے گا اور شہنشاہ کی فوج کے لیے ہتیار کون بنائے گا۔

بغورچی ۔ بات معقول ہے ۔
اوگدائی ۔ خطا کا دانشمند ٹھیک کہتا ہے ۔
تولی ۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ کیا سب اہل خطا نے اطاعت قبول کر لی یا نہیں ۔
جوجی ۔ اطاعت قبول کرے یا نہ کرے دشمن پھر دشمن ہے ۔ کسی ایک کو بھی زندہ چھوڑنا مصلحت کے خلاف ہے ۔
چنگیز ۔ جوجی ۔ تم ہمیشہ سے جلد باز اور جوشیلے ہو ۔
ملکہ ۔ شہزادے ۔ آپکے منہہ سے ایسی بے رحمی کی باتیں ۔ یاد رکھیے اس منہہ سے آپ نے ملکہ بورتہ جیسی نیک ماں کا ممتا بھرا دودھ پیا ہے ۔
چنگیز (طنزاً) ماں کے دودھ سے زیادہ اولاد پر باپ کے خون کا اثر پڑتا ہے ۔ ہا ہا ہا ۔
بغورچی ۔ ابھی عمر ہی کیا ہے ۔ شہزادے کے سیر شکار کے دن ہیں ۔
چنگیز ۔ بتیس برس کے سن میں ہم گھاٹ گھاٹ کا پانی پی چکے تھے ۔
بغورچی ۔ آج کل کے نوجوانوں میں زمانے کے گرم و سرد کا وہ تجربہ کہاں پیدا ہوسکتا ہے ۔
چنگیز ۔ سوابدی بہادر ۔ تم سب میں زیادہ تجربہ کار ہو ۔ دوست دشمن دونوں کو ایک ہی آنکھ سے دیکھتے ہو ۔ ہم تمہاری رائے معلوم کرنا چاہتے ہیں ۔
سوابدائی بہادر ۔ جو جہاں پناہ کا ارادہ ہے وہی میری رائے ہے ۔
چنگیز ۔ یہہ درست ہے لیکن ہم پوچھتے ہیں کہ جن شہروں میں کوئی زندہ نہیں بچا کم سے کم ان شہروں کی حد تک مزید کشت و خون موقوف کر کے ایک عام حکم کے ذریعہ اہل خطا کی گذشتہ خطائیں کیوں نہ معاف کر دی جائیں ۔
سوابدائی بہادر ۔ میں ابھی قاصدوں کو دوڑاتا ہوں کہ ایسے مفتوحہ علاقوں میں جہاں قتل عام

ہوچکا ہے۔ ڈھنڈورا پیٹ کر معافی کا اعلان کر دیں۔

بغورچی ۔ ہمارا شہنشاہ رحمت کا فرشتہ ہے۔

جبی نویان ۔ وہ فیض و کرم کا بہتا ہوا چشمہ ہے جس سے اپنے پرائے یکساں سیراب ہوتے ہیں۔

سوابدائی بہادر۔ اس کی بخشش سورج کی روشنی کی طرح مدام ہے۔ آسمان کے بادلوں کی مانند عام خاص کے لیے وہ زندگی کا پیام ہے۔

(یکایک ایک بدحال شخص دوڑتا ہوا آکر چنگیز کے آگے زمین بوس ہوتا ہے۔ سب حیران ہوتے ہیں۔ چنگیز اپنی جگہ تخت سے اتر کر کھڑا ہو جاتا ہے)

جبی نویان ۔ دیکھتے کیا ہو۔ فوراً اس گستاخ کا کام تمام کر دو۔ (ایک گرز بردار نووارد پر حملہ کرنے کے لیے آگے بڑھتا ہے)

چنگیز ٹھیرو۔ جان لینے سے پہلے اس بدبخت سے پوچھا جائے کہ یہ ہے کون اور کس غرض سے بلا اجازت اس طرح محل میں گھس آیا ہے۔

اجنبی ۔ (ہانپتے ہوئے) میں خلیفہ بغداد کا بھیجا ہوا ہوں۔ ایک پیام لایا ہوں خلیفہ ناصر عالم پناہ سے مدد چاہتے ہیں ........ علاء الدین خوارزم شاہ کے خلاف ........ سلطان کے ہاتھوں خلیفہ کو بڑی بڑی تکلیفیں اٹھانی پڑی ہیں۔

چنگیز ۔ کون ہے خلیفہ بغداد ۔ اگر اس کو مدد کی ضرورت تھی تو وہ خود دربار میں کیوں نہیں حاضر ہوا۔

لیوچتسائی ۔ وہ ایک بہت بڑا مذہبی رہنما ہے جس کے باپ دادا کسی زمانے میں روئے زمین کے شہنشاہوں سے خراج لیتے تھے۔

چنگیز ۔ کہاں ہے وہ کاغذ جس پر پیام لکھا ہے۔

اجنبی ۔ زبانی پیام کہلا بھجوایا ہے۔
جوجی ۔ کیا بکتا ہے۔
تولی ۔ اس کے حواس ٹھکانے نہیں، پاگل معلوم ہوتا ہے۔
اوگدائی ۔ تیرے پاس اس کا کیا ثبوت ہے کہ تو جو کہتا ہے سچ ہے۔
اجنبی ۔ (اپنے سر کی طرف اشارہ کرکے) یہاں دیکھ لیجیے۔ ثبوت موجود ہے۔
چنگیز ۔ دیوانہ ہے۔ اسے نکال باہر کرو
اجنبی ۔ نہیں ۔ نہیں ۔ میں دیوانہ نہیں ۔ میں دوسروں سے زیادہ عقل رکھتا ہوں۔
اسی لیے یہہ اہم خدمت میرے تفویض کی گئی ہے ۔ اور اس ڈر سے کہ
کہیں خوارزم شاہ کے آدمی مجھے راستے میں گرفتار کرکے میرے قبضہ سے
کاغذات نہ چھین لیں ۔ مجھے سارا پیام رٹا دیا گیا ہے اور میرا سر مونڈ کر
خلیفہ کی مہر تالو پر گودی گئی اور اس پر نیل چھڑک کر پھر سر کے بال بڑھا دیے
گئے۔ تاکہ کسی کے کانوں کان خبر نہ ہو کہ میں بغداد کا ایلچی ہوں۔
بغورچی ۔ کیا خوب ۔ یہہ سیاست ہے یا حجامت ۔
چنگیز ۔ جبی نویان ۔ ابھی اس کے سر کے بال منڈوا کے دیکھو کیا واقعی اس کا
بیان صحیح ہے۔
جبی نویان ۔ جو حکم ۔ (اجنبی کو باہر لے جاتا ہے)
چنگیز ۔ علاءالدین خوارزم شاہ بہت پاؤں پھیلا رہا ہے۔
سوابدائی بہادر ۔ اس کی سلطنت کا رقبہ بھی تو دور دور تک پھیلا ہوا ہے ۔ ایران۔ توران
ترکستان ۔ افغانستان سب ملکوں پر اس کا قبضہ ہے۔
لیوچتسائی ۔ کئی سال سے وہ اپنی مسند پر خدائے جنگ بنا بیٹھا ہے۔
بغورچی ۔ سنتے ہیں کہ اس کی فوج میں پانچ لاکھ سپاہی ہیں۔

چنگیز ۔ (جوش سے) پانچ کروڑ سپاہی بھی ہوں تو ہماری فوج ظفر موج ان کو تتر بتر کر دیگی۔

اوگدائی ۔ اس کے ہمارے درمیان تجارتی معاہدہ ہے۔ ہم کیسے اس کو توڑ سکتے ہیں۔

چنگیز ۔ معاہدہ ایک کاغذ کا پرزہ ہے۔ جب چاہے اس کو پھاڑ کے پھینک سکتے ہیں۔ البتہ تجارت کے منافع کا خیال مجھے روک رہا ہے۔ ورنہ کبھی کے اس کی سلطنت پر ہمارا علم نہ پا یہ لہراتا ہوا نظر آتا۔

تولی ۔ سنا ہے اس کی سلطنت میں بڑے بڑے شہر آباد ہیں۔ جہاں مال و دولت زر و جواہر کے انبار لگے ہیں۔

جوجی ۔ ایک اشارہ کی دیر ہے۔ جان نثار ساری دولت سمیٹ کر قراقورم پہونچا دیگا۔

(جبی نویان اجنبی قاصد کو لے کر واپس آتا ہے)

جبی نویان ۔ خداوند، یہہ سچ کہتا ہے۔ واقعی اس کے سر پر خلیفہ ناصر کی مہر گودی ہوی ہے

چنگیز ۔ ہم بھی دیکھیں کیسی مہر ہے۔ (تالو سیلا کر دیکھتا ہے۔) عجیب الٹی سیدھی لکیریں ہیں (سب باری باری سے تالو کی مہر دیکھتے ہیں) سفارت کا نیا طریقہ ہے۔ (اجنبی سے) تیرا مالک کس قسم کی امداد مانگتا ہے۔

اجنبی ۔ خلیفہ کی یہہ خواہش ہے کہ حضور اپنا لشکر لیکر خوارزم شاہ کے ملک پر چڑھائی کردیں تاکہ یہہ فتنہ ہمیشہ کے لیے مٹ جائے۔

ملکہ ۔ اس اجنبی کی باتوں کا کیا بھروسہ۔ اس کے جھانسے میں آکر پرائی آگ میں کودنے کے بجائے ہمیں اپنے قاصدوں کی خبروں کا انتظار کرنا چاہیے۔

چنگیز ۔ کون قاصد۔ اچھا وہ سوداگر........ بے شک...... سوابدائی بہادر۔ اپنے قاصدوں کے پاس سے کوئی اطلاع وصول ہوئی؟

سوابدائی بہادر۔ (ران کھجاتے کھجاتے۔ اس اچانک سوال پر فوراً اپنے کو سنبھال کر)

کئی مہینوں سے ان کا کوئی پتہ نہیں۔ نہ جانے راستے میں پکڑے گئے
یا کیا ہوا۔

بغورچی۔ ممکن ہے کہ وہ سارا قافلہ راستے میں لٹ گیا ہو۔ یا ڈاکوؤں کے ہاتھوں
سب کے سب جان سے مارے گئے ہوں۔

اجنبی ایک قافلہ کو اترار کے بے رحم حاکم اینل جق نے خوارزم شاہ کے حکم سے
قتل کر دیا تھا۔ کہیں یہہ وہی تو نہیں۔

چنگیز۔ (آگ بگولہ ہوکر) کیا کہا۔ میرے آدمیوں کو قتل کر دیا۔ بدمعاشوں
نے میرے ملک کے سوداگروں کو قتل کر دیا۔

جبی نویان۔ اگر یہہ سچ ہے تو خوارزم شاہ کو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔

چنگیز۔ (آپے سے باہر ہوکر) میں اس کو برداشت نہیں کر سکتا۔ اس کے ملک کی
اینٹ سے اینٹ بجا دوں گا۔

سوابدائی بہادر۔ ہوسکتا ہے کہ یہ اجنبی جھوٹ بولکر ہمیں دھوکہ دے رہا ہو۔ یا خود خوارزم شاہ
کو دھوکہ ہوا ہو۔ بہرحال سب سے پہلے ہمیں سلطان سے شکایت کرنی چاہیے

تولی۔ گلے شکوں کا اب وقت نہیں۔

جوچی۔ جو کچھ کہنا ہے زبان تیغ سے کہنا چاہیے۔

بغورچی۔ پہلے حملہ بعد شکوہ۔

اوگدائی۔ جلد بازی سے کام بگڑتے ہیں۔ بنتے نہیں۔ میں سوابدائی بہادر کا ہم خیال ہوں۔

ملکہ۔ مجھے بھی سوابدائی بہادر کی رائے سے اتفاق ہے۔ اگر خوارزم شاہ ہماری
شکایت کی پرواہ نہ کرے تو پھر کوئی تدارک کر سکتے ہیں۔

چنگیز امید نہیں کہ وہ بددماغ اپنے کیے پر پچھتائیگا۔ یا اپنی غلطی پر معافی چاہے
گا۔ پھر بھی چونکہ دونوں سلطنتوں میں دوستی کا معاہدہ ہے اس لیے

دکھاوے کی خاطر ہی سہی خوارزم شاہ کو لکھنے میں ہرج نہیں۔

سب درباری ۔ جو حکم ہو تعمیل کی جائے گی۔

چنگیز ۔ کتنا فاصلہ ہے قراقورم اور خوارزم میں۔

لیوچیتسائی ۔ کوئی دو ہزار میل کا۔ لیکن سلطان اپنے پایۂ تخت سے زیادہ بخارا کا دلدادہ ہے۔

چنگیز ۔ وہ جہاں ہو ہمارا خریطہ اس کو پہنچایا جائے۔

سب درباری ۔ جیسا فرمان ہو۔

چنگیز ۔ ایلچیوں سے کہنا دو ہفتوں کے اندر جواب لے کر حاضر ہوں۔

سب درباری ۔ بجا ارشاد۔

چنگیز ۔ اب دربار برخاست کیا جاتا ہے۔

(سب درباری اور شہزادے الٹے قدم پیچھے ہٹتے ہوئے چلے جاتے ہیں تاکہ خاقان کی طرف کسی کی پیٹھ نہ ہو۔ صرف چنگیز اور ملکہ کلاں خاتون رہ جاتے ہیں)

چنگیز ۔ (خفگی سے) تم ہر وقت ایسی کڑوی کسیلی باتیں کیوں سناتی ہو۔

ملکہ ۔ مجھے خوشامد خورے درباریوں کی طرح چکنی چپڑی باتیں کرنا نہیں آتا ۔ جو دل میں ہوتا ہے وہی زبان پر لاتی ہوں۔

چنگیز ۔ تو کیا دل میں زہر کی کڑواہٹ کے سوا اور کچھ نہیں۔

ملکہ ۔ سچی بات کڑوی ہی لگتی ہے۔

چنگیز ۔ سچ کا بہانہ سب سے خطرناک جھوٹ ہے۔ اصل میں تمہاری رگ رگ کے اندر خون کے بدلے نفرت کی تلخیاں بھری ہوئی ہیں۔ (دانت پیستے ہوئے) اور اس نفرت کا سبب میں جانتا ہوں۔ تم نے ابھی تک

اوس روسیاہ مکریت کو نہیں بھلایا ہے۔ اور نہ ان دغاباز بھائیوں کی یاد تمہارے دل سے مٹی ہے۔

ملکہ ۔ میں سب کچھ بھلا چکی ہوں اور اب اپنے آپ کو بھولنے کی کوشش کر رہی ہوں۔ آپ ناحق گذرے ہوئے واقعات کو بار بار یاد دلا کر پرانے زخموں کو تازہ کرتے ہیں۔

چنگیز ۔ گھبراؤ نہیں۔ ان زخموں کا میرے پاس اکسیر مرہم ہے۔ جو ہاتھ زبردست سے زبردست سلطنت کو زیر کر سکتا ہے کیا وہ ایک نازک دل کو رام نہیں کر سکتا۔

(ملکہ چلی جاتی ہے)

# پہلا ایکٹ

## دوسرا سین

(قراقورم کا ایک راستہ)

(فرنگی راہب تھرو بریک جو اپنے آپ کو شاہ فرانس کا ایلچی بتاتا ہے سردی سے کانپتا ہوا داخل ہوتا ہے۔ تھرو بریک جو ایک موٹا تازہ اوسط عمر کا آدمی ہے کئی کپڑوں اور لبادوں کو اوڑلپیٹ کر اور بھی گولہ بن گیا ہے۔ اس کے ساتھ وہی دو تاتاری سپاہی ہیں جو لیو چیتسائی کو گرفتار کر کے چنگیز خاں کے پاس لائے تھے۔ دونوں سپاہی ہاتھوں میں چانول کی شراب کے شیشے لیے ہوئے نشہ میں چور لڑکھڑاتے ہوئے چلتے ہیں۔)

پہلا سپاہی ۔ (دوسرے کا کان پکڑ کے کھینچتے ہوئے) ہاہاہاہا۔ مزا آگیا۔ آج تو مزا آگیا۔

دوسرا سپاہی ۔ (پہلے کی ناک مروڑ کر) سچ مچ پینے پلانے کا لطف آگیا۔

تھرو بریک ۔ اوفو۔ بلا کی سردی ہے۔ ہمارے ملک میں اتنی سردی پڑے تو آدمیوں کے جسم برف بن جائیں۔

پہلا سپاہی ۔ کون سا ملک ہے تیرا۔

تھرو بریک۔ (ٹھنڈی سانس بھر کے) میرا ملک خوبصورت باغوں اور پرفضا وادیوں کا ملک ہے۔ جنوبی فرانس میں سمندر کے ساحل کے قریب اٹلی کی سرحد سے ملا ہوا۔ دنیا کا سب سے زیادہ زرخیز اور شاداب خطہ۔ رنگ اور روشنی کا گلزار حسن و محبت کا دیار۔

دوسرا سپاہی۔ (نشہ میں) یہہ تو کوئی دوسری دنیا کی باتیں کر رہا ہے۔

تھرو بریک۔ (کانپتے ہوئے) اف۔ مار ڈالا اس سردی نے منہہ سے آواز نہیں نکلتی۔ دانت سے دانت بج رہے ہیں۔

پہلا سپاہی۔ ٹھنڈ بہت لگ رہی ہے تو باہر پھرنے کے بجائے گھر میں بیٹھ کے آگ کیوں نہیں تاپتا۔ انگیٹھی کے آگے مزے سے پاؤں پھیلا کے لیٹا رہ۔

تھرو بریک۔ گھر میں بیٹھنے کی جگہ مشکل سے نکلتی ہے۔ پاؤں پھیلا کے لیٹوں کیسے۔

دوسرا سپاہی۔ کیا مطلب۔

تھرو بریک۔ کہنے کا مطلب یہہ ہے کہ وہ گھر اتنا چھوٹا ہے کہ سر اندر رہے تو پاؤں باہر نکل آتے ہیں۔ اور پاؤں اندر کھینچو تو سر باہر نکل جاتا ہے۔

پہلا سپاہی۔ تو پہرہ داروں کی طرح دن رات کھڑا رہ۔

تھرو بریک۔ گھر کی چھت اتنی نیچی ہے کہ کھڑا رہوں تو سر چھت سے ٹکراتا ہے۔

پہلا سپاہی۔ (مذاق سے) اب کے تہوار میں بالوں کے ساتھ سر بھی کٹوا لے۔ جھگڑا چک جائیگا۔

تھرو بریک۔ دوسرا گھر نہ ملے تو وہی کرنا پڑیگا۔ سر کٹا کے ہمیشہ کے لیے سبکدوش ہو جاؤں گا۔

دوسرا سپاہی۔ فکر مت کرو۔ میر سامان سے کہہ کے دوسرا گھر دلوا دیا جائیگا۔...... اور کسی بات کی تکلیف ہے؟

تھروبریک ۔ یار دوستوں کی عنایت سے ہر چیز کا آرام ہے۔ البتہ اناج خریدنے کے لیے پیسے پاس نہیں جتنا روپیہ ساتھ لایا تھا سب سفر میں خرچ ہو گیا۔

پہلا سپاہی ۔ خاقان کے پاس عرضی دے۔ گھر میں سونے چاندی کے ڈھیر لگ جائینگے۔

تھروبریک ۔ میں راہب ہوں روپیہ پیسہ لینا میرے مسلک میں حرام ہے۔

دوسرا سپاہی ۔ روپیہ پیسہ نہیں لیتا تو بھوکا مر۔ شکایت کیوں کرتا ہے۔

تھروبریک ۔ میر سامان سے کہہ کے چانول کے دو بورے اور کچھ پھل بھجوا دو۔

پہلا سپاہی ۔ اچھی بات ہے۔ چانول کے بوروں کے ساتھ کچھ چانول کی شراب کے پیپے بھی بھجوا دوں؟

تھروبریک ۔ نہیں ۔ اس کی ضرورت نہیں۔

دوسرا سپاہی ۔ (چسکی لیکر) شراب نہیں پیتا؟

تھروبریک ۔ سال میں ایک دفعہ پیتا ہوں۔

پہلا سپاہی ۔ دن میں دو دفعہ پیا کر۔ ٹھنڈ نہیں لگے گی۔

دوسرا سپاہی ۔ اور اس کے ساتھ صبح شام چہرے اور ہاتھوں پر دنبے کی چربی مل لے۔

تھروبریک ۔ چربی ملنے کے بعد کہیں قصاب مجھی کو دنبہ سمجھ کر (گلے پر انگلی چلا کر) حلال نہ کر دے۔

پہلا سپاہی ۔ قصاب تو یوں بھی جسم کی چربی دیکھ کر چھری تیز کر سکتا ہے۔

دوسرا سپاہی ۔ چربی نہیں ملتا تو تھوڑا سا کھولتا ہوا گرم پانی سر پر ڈال لیا کر۔

تھروبریک ۔ کیا فایدہ۔ اس ملک میں کھولتا ہوا پانی بھی سر پر ڈالو تو بدن بھیگنے تک وہ برف بن جاتا ہے۔

پہلا سپاہی ۔ سردی کی برداشت نہیں تو اپنے وطن کو واپس کیوں نہیں چلا جاتا۔

دوسرا سپاہی ۔ اتنے دنوں سے ہمارے ملک میں کس لیے ٹھیرا ہوا ہے۔

تھرو بریک۔ کام سے ٹھیرا ہوں۔ جب تک کام ختم نہ ہو کیسے۔ جا سکتا ہوں۔ مجھے اپنے بادشاہ کا ایک پیام پہنچانا ہے۔

پہلا سپاہی ۔ خاقان کی خدمت میں ؟

تھرو بریک ۔ ہاں۔ خاقان کی خدمت میں بادشاہ فرانس نے دوستی کا پیام بھجوایا ہے اور یہاں ابھی تک دربار میں رسائی نہ ہو سکی۔

دوسرا سپاہی۔ خاقان سے دنیا کا ہر بادشاہ دوستی رکھنا چاہتا ہے۔ اور جو دشمنی مول لیتا ہے وہ پھر اس دنیا میں نہیں رہ سکتا۔

پہلا سپاہی ۔ تیرے ملک میں جانور موٹے تازے ہوتے ہیں یا کمزور مریل ؟ کام کرنے والے آدمی ہٹے کٹے ہیں یا دبلے پتلے ؟

تھرو بریک ۔ جانور بھی بہت موٹے تازے اور وہاں کے آدمی بھی اونچے پورے۔ سرخ و سفید ہوتے ہیں۔

دوسرا سپاہی۔ کیا وہاں کی زمین زرخیز ہے ۔ اور اناج خوب پیدا ہوتا ہے۔

تھرو بریک۔ وہاں کی زمین سونا اگلتی ہے۔

پہلا سپاہی۔ کیا واہیات بکتا ہے ۔ زمین سونا کیسے اگل سکتی ہے۔

دوسرا سپاہی۔ تو جھوٹ بولنے میں اس قدر ماہر ہے ۔ تجھے ایلچی کس الو کے پٹھے نے بنایا۔

تھرو بریک۔ اسی مہارت کی وجہہ سے تو یہہ نازک فریضہ میرے سپرد کیا گیا۔

پہلا سپاہی ۔ خیر اس بحث کو رہنے دے ۔ یہہ بتا کیا تیرے ملک کی عورتیں بھی ایسی ہی حسین ہیں جیسے ملک خطا کی۔

تھرو بریک۔ میرے ملک کی عورتوں سے تمہیں کیا واسطہ۔

دوسرا سپاہی۔ ہم تمام ملکوں کی عورتوں سے محبت کرتے ہیں۔ البتہ مردوں سے ہمیں نفرت ہے۔

تھروبریک۔ [illegible] انسان کو بھیڑیا بنا دیتی ہے۔ (دبی زبان سے) محبت میں آدمی گدھا بن جاتا ہے۔

پہلا سپاہی۔ مذاق رہنے دے۔ ہم تیرے وطن کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ سچ سچ کہنا کیا وہاں بھی بازاروں میں کافور کی پتلیاں چلتی پھرتی نظر آتی ہیں

تھروبریک۔ تم لوگ مجھ سے ایسے سوالات کیوں کرتے ہو۔ آخر تمہارا ارادہ کیا ہے۔ کیا میرے ملک پر قبضہ جمانے کی نیت ہے۔

دوسرا سپاہی۔ ہم چاہیں تو تیرا ملک ہی کیا دنیا کے تمام ملکوں پر قبضہ کر سکتے ہیں۔

تھروبریک۔ اوفو۔ غضب کی ٹھنڈ ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے بدن کا خون تو خون ہڈیوں کا گودا تک جم جائے گا۔

پہلا سپاہی۔ ٹھیر میں تجھے گرمی لانے والی اکسیر دوا پلاتا ہوں۔

دوسرا سپاہی۔ ایک چسکی میں رگوں کے اندر بجلیاں دوڑنے لگیں گی۔ یہہ دوا آگ کی آگ ہے پانی کا پانی۔

تھروبریک۔ دوا کی ضرورت نہیں۔

پہلا سپاہی۔ ضرورت کیسے نہیں۔ برابر ضرورت ہے۔ پینا پڑیگا۔

(دونوں سپاہی ہنستے ہنستے زبردستی تھروبریک کے حلق میں شراب انڈیلتے ہیں۔)

تھروبریک۔ یہہ کیا بدتمیزی ہے۔ میں خاقان سے عرض کروں گا۔ میں ایلچی ہوں۔

دوسرا سپاہی۔ ایلچی ویلچی ہم کسی کو نہیں مانتے۔ (حلق میں اور شراب انڈیلتا ہے)

تھروبریک۔ تم لوگ آدمی نہیں جنات ہو۔ (سپاہی اور ایک گھونٹ پلاتا ہے۔) چڑیل ہو۔ (اور ایک گھونٹ پلاتا ہے) عفریت ہو۔ (سپاہی باقی تمام بھی تھروبریک کے حلق میں انڈیل دیتا ہے) بھوت پریت ہو۔ (شیشہ

خالی کرکے دونوں سپاہی تھرو بریک کو چھوڑ دیتے ہیں اور وہ بھی جھاڑ پونچھ کے سنبھل جاتا ہے۔)

پہلا سپاہی۔ بول اب سردی کیا بولتی ہے۔

تھرو بریک۔ (مسکراتے ہوئے۔) پہلے سے ذرا کم ہے۔

دوسرا سپاہی۔ تو چھوٹے بچوں کی طرح دوا پیتے وقت ضد کر رہا تھا۔ اب تو جان لیا ہمارا علاج ٹھیک تھا۔

تھرو بریک۔ بالکل ٹھیک۔ تم جو کچھ کہتے ہو بابا درست ہے۔ ڈنڈے کی دلیل کے آگے بحث کرنے والا بے وقوف بلکہ احمق ہے۔

پہلا سپاہی۔ تھوڑی دیر میں تو دیکھے گا سردی ہوا ہو جائے گی اور گرمی دماغ پر چڑھنے لگے گی۔

تھرو بریک۔ اب گرمی دماغ پہ کہاں چڑھے گی۔ دماغ خود تو آسمان پر چڑھ رہا ہے

(دونوں سپاہی ہنستے ہوئے دوسرے شیشے میں سے دو چار چسکیاں خود لگاتے ہیں۔ اور تھرو بریک کی طرف پھر شرارت سے بڑھتے ہیں لیکن اب کی دفعہ فرنگی راہب ان کے ہاتھ نہیں آتا۔ اور سر پہ پاؤں رکھ کے بھاگ جاتا ہے۔ اور سپاہی بھی لڑکھڑاتے ہوئے اس کے پیچھے چلے جاتے ہیں۔)

# دوسرا ایکٹ

## پہلا سین

(بخارا میں مرزا احسان کا محل ۔ مرزا احسان کا لڑکا تحسین اور اسکی مہ جبین بیوی فرحانہ محل کے خانہ باغ میں بیٹھے ہوئے چاندنی رات کا لطف اٹھا رہے ہیں ۔ تحسین کے جسم پر ریشمی لمبا اچکن اور شلوار ہے ۔ فرحانہ نہایت قیمتی کپڑے کی پشواز پُر تکلف کرتا اور اوڑھنی زیب بدن کیے ہوئے ہے ۔ دونوں کا لباس کچھ اس قسم کا ہے جیسے عام طور پر تصویروں میں خیام اور اس کی محبوبہ کا ہوا کرتا ہے ۔ تحسین کے سامنے ایک شیشہ اور گلاس رکھا ہے جس میں سے وہ کوئی چیز شراب کی طرح آہستہ آہستہ مزے لے لے کر پیتا ہے ۔ فرحانہ پھولوں کا ہار گوندھ رہی ہے ۔)

**تحسین ۔** مے و معشوق اور شعر و شباب ۔ یہہ چار چیزیں زندگی کو چار چاند لگا دیتی ہیں ۔ جس انسان کو یہہ نعمتیں نصیب ہوں اسے دنیا میں اور کیا چاہیئے ۔

**فرحانہ ۔** دنیا میں یہہ سیر ہے تو جنت کی بہار کیسی ہوگی ۔

**تحسین ۔** جنت میں اس سے زیادہ اور کیا ملے گا ۔ یہی شراب طہور اور یہی حور و

قصور وہاں بھی ہیں۔

فرحانہ ۔ نہ جانے کیا بات ہے آج روز کے معمولی نظاروں میں بھی ایک قسم کی شعریت محسوس ہو رہی ہے۔

تحسین ۔ یہہ خانہ باغ۔ یہہ شب مہتاب اور یہہ حسن و شباب کسی کو بھی شاعر بنانے کے لیے کافی ہے۔ تمہیں یاد نہیں وہ عبارت" ہاتھوں میں غزل کی کتاب۔ سر پہ شاخ گل کا سایہ"

فرحانہ ۔ "ہونٹوں پہ محبت کا ترانہ"

تحسین ۔ "حسین ساقی۔ جھلکتا ہوا پیمانہ"

فرحانہ ۔ اور خیام کی وہ رباعی جس کا مضمون ہے" اس سے پہلے کہ غموں کا لشکر تجھ پہ شب خون مارے۔"

تحسین ۔ "شراب سرخ سے پیالہ بھر دے"

فرحانہ ۔ "تو سونے کی اینٹ نہیں ہے کہ تجھے زمین میں گاڑ کے پھر زمین سے باہر نکالیں۔"

تحسین ۔ کتنا دل فریب مضمون ہے۔ اور وہ رباعی جسمیں کہا گیا ہے:" اے صنم تیری جان کی قسم اپنے حسن کی روشنی ڈال کے میری زندگی کا مسئلہ حل کر دے۔"

فرحانہ ۔ "اور اس سے پہلے کہ میری مٹی سے لوگ کوزے بنائیں تو میرے لیے مے ناب سے بھرا ہوا ایک کوزہ لا دے۔"

تحسین ۔ یا وہ مضمون۔" اس کاروان سرائے میں کس کس جاہ و حشم کے ساتھ ایک سلطان کے بعد دوسرا سلطان آیا۔ جتنا وقت اپنے ساتھ لایا تھا یہاں ٹھیرا اور پھر اس ملک کو روانہ ہو گیا جہاں سے کوئی مسافر

واپس نہیں لوٹتا۔"

فرحانہ۔ خیام نے ہمارے شہر کو غالباً نہیں دیکھا۔ ورنہ وہ ایسے اداس شعر ہرگز نہ کہتا۔

تحسین۔ یہہ سچ ہے۔ اس شہر کی چہل پہل میں انسان دونوں جہاں کے غم بھول جاتا ہے۔ یہہ شہر جہاں دن رات ادب کے جلسے ہیں۔ علم کے مباحث۔ موسیقی کے ترانے۔ ناچ رنگ کی محفلیں۔ جہاں ہر وقت ایک سرور کی سی کیفیت رہتی ہے۔ ایک نشہ کا سا عالم۔

فرحانہ۔ جوانی کا سرور۔ دولت کا نشہ۔

تحسین۔ زندگی کی بدمستی۔ تہذیب کی رنگا رنگی۔ جو روے زمین سے کھچ کر ہمارے عروس البلاد میں سما گئی ہے۔ فرحانہ۔ میں تمہیں ایک دن اس جنت ارضی کی سیر کراؤں گا۔

فرحانہ۔ میں جھروکے سے دیکھتی تو رہتی ہوں۔

تحسین۔ جھروکے سے نہیں۔ شاہراہوں اور چمن زاروں کے چکر لگا کر۔ یہاں کے باغ پُر بہار۔ یہاں کے بارونق بازار۔ یہہ محلات۔ یہہ گنبد و مینار۔ ایک ایک منظر تمہیں تفصیل سے دکھاؤں گا۔

فرحانہ۔ اس سے بہتر کیا ہو سکتا ہے۔۔۔۔۔۔۔ اس کے بعد کسی دن زر افشاں دریا کی سیر کو چلیں گے۔ میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ کیا واقعی اس دریا کے کنارے سونے کی ریت ہے۔

تحسین۔ سونے کی ریت اور سونے پر سہاگا خوش رنگ چنار اور شہتوت کے درخت اور کوسوں تک سبزہ ہی سبزہ جیسے ہرے مخمل کا فرش بچھا ہوا ہے۔ شہر بخارا کو بسانے کے لیے ایسا زرخیز علاقہ پردہ زمین

پر نہیں مل سکتا تھا۔

فرحانہ۔ تحسین زرافشاں دریا تو سچ مچ زرفشانی کرتا ہے۔ اس کا نام نہایت موزوں ہے۔ لیکن شہر کو بخارا کیوں کہتے ہیں۔

تحسین۔ بخارا اصل میں ویہارا تھا جس کے معنی ہیں خانقاہ کے۔ کسی زمانے میں یہہ درویشوں اور مشایخوں کے رہنے کی جگہ تھی اور اب بھی دنیوی دولت و ثروت کے باوجود عالموں کا شہر ہے۔ ادیبوں کی بستی یہاں گھر گھر علم کی نہریں بہتی ہیں فن و ادب کے گلزار مہکتے ہیں۔ خدا اس سدا بہار چمن کو خزاں کی زد سے بچائے۔ اس دلہن کا سہاگ رہتی دنیا تک لٹنے نہ پائے۔

فرحانہ۔ سنتی ہوں بغداد کی شان و شوکت اس سے بھی زیادہ ہے۔

تحسین۔ بغداد گذشتہ عظمت کا مقبرہ ہے۔ شان دار مگر بے جان۔ بخارا آیندہ جاہ و شکوہ کا پیش خیمہ ہے۔ حیات و حرکت سے معمور۔ علم و عمل سے بھرپور۔

فرحانہ۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو اس شہر میں رہتے بستے ہیں۔ یہاں کی سرگرمیوں میں حصہ لیتے ہیں۔ اور اس سرزمین کی خوش گوار آب و ہوا سے زندگی کا حظ اٹھاتے ہیں۔

تحسین۔ اور خوش نصیب ہیں ہم دونوں جو اس عالی شان محل کے خانہ باغ میں بیٹھے ہوئے امن و راحت کی گھڑیاں گذار رہے ہیں۔ فرحانہ۔ میں جب کبھی دنیا کے ہنگاموں سے گھبرا جاتا ہوں تو ان حسین لمحوں کی یاد ہمیشہ دل کو تسکین دیتی ہے۔

فرحانہ۔ یہہ لمحے۔ کیا یہہ حسین لمحے۔ ہمیشہ یوں ہی حسین رہیں گے۔

تحسین۔ ہمیشہ نہ سہی۔ دو چار دن ہی سہی۔ احساس کی چند گھڑیاں بے حسی کی

کئی صدیوں سے بہتر ہیں۔

فرحانہ ۔ وہ احساس کیسے پیدا کیا جائے۔ جو زندگی کو ماہ و سال کی قید سے آزاد کر دے۔

تحسین ۔ وہ احساس پیدا نہیں کیا جاتا بلکہ خود بخود پیدا ہو جاتا ہے۔ یکایک کسی مبارک ساعت میں تیزی سے دھڑکتے ہوئے دل کی آواز پر سوئی ہوئی روح جاگ اٹھتی ہے۔ اور نظر سے غفلت کے سب پردے اٹھ جاتے ہیں۔ اور پھر ہوا کی بے رنگ موجوں میں دنیا بھر کی رنگینیاں دکھائی دیتی ہیں اور فضا کے بے اصل ذروں میں کائنات کی اصلیت نظر آجاتی ہے

(کچھ آہٹ سنائی دیتی ہے)

فرحانہ ۔ (جیسے کسی خواب سے چونک کر) خیال کا بڑے سے بڑا طلسم ذری سی آہٹ پر ٹوٹ جاتا ہے۔ شاعری اور فلسفہ کے باوجود حسین لمحے کس قدر مختصر ہوتے ہیں۔ کتنی جلدی گذر جاتے ہیں۔

تحسین ۔ اسی لیے تو میں شاعری اور فلسفہ کا سہارا لے رہا تھا۔

فرحانہ ۔ بس اب پیالے پر سرپوش ڈھک دو کہ خرقہ پوش آ گئے۔

تحسین ۔ یہ تو شربت کے پیالے ہیں۔ وہ مضمون شراب کے لیے موزوں ہے۔

فرحانہ ۔ پیالے شربت کے ہوں تو کیا۔ گفتگو تو شراب ہی کے بارے میں ہو رہی تھی۔

تحسین ۔ ہاں مگر وہ بھٹی کی نہیں زندگی کی شراب کا ذکر تھا۔ محبت کے کیف اور معرفت کے جام کا بیان۔

# دوسرا ایکٹ

## دوسرا سین

(سلطان علاؤ الدین خوارزم شاہ کے وسیع محل کا خانہ باغ سلطان جس کی عمر اس وقت کوئی پینتالیس سال کی ہوگی اپنے ولی عہد شہزادہ جلال الدین اور اپنی فوج کے ایک افسر اعلیٰ اوزبک سے گفتگو میں مصروف ہے۔ سلطان اور شہزادے کے جسم پر اس زمانے کے رواج کے مطابق اطلس کی قبا اور ریشم کی شلوار ہے۔ سروں پر زربفت کے شملے جن میں ہیرے جواہر ٹکے ہیں۔ جیسا کہ مشرقی تاجداروں کا عام طریقہ تھا۔ اوزبک فوجی وردی پہنے ہوئے ہے۔ چند پہرہ دار خانہ باغ کے دونوں جانب بت بنے کھڑے ہیں۔)

**اوزبک** ۔ عالیجاہ ۔ چنگیز خان کے بھیجے ہوئے ایلچی دربار میں حاضری دینا چاہتے ہیں۔

**علاؤ الدین** ۔ آیندہ ہفتے کے دربار میں انھیں حاضر کردو۔

**اوزبک** ۔ انھیں واپسی کی بے حد جلدی ہے ۔ وہ آیندہ ہفتہ تک نہیں ٹھیر سکتے ۔

**علاؤ الدین** ۔ (چڑ کر) تو کیا وہ ہوا کے گھوڑے پر سوار ہو کے آئے ہیں ۔

اوزبک ۔ ہوا بلکہ بجلی کی رفتار سے آئے ہیں۔ اور اسی تیزی سے واپس جانا چاہتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اگر وہ آج سے ساتویں دن قراقورم نہ لوٹیں تو ان کی جانوں کی خیر نہیں۔

علاء الدین ۔ کتنی دور ہے یہاں سے قراقورم۔

اوزبک ۔ خدا کی زمین کو کون ناپ سکتا ہے۔ اندازاً دو ہزار میل کا فاصلہ ہوگا۔

جلال الدین۔ اتنا فاصلہ وہ سات دن میں طے کر لیں گے؟۔

اوزبک ۔ وہی بتا سکتے ہیں۔ حکم ہو تو انھیں یہیں حاضر کر دوں۔ ڈیوڑھی پر صبح سے کھڑے ہیں۔

علاء الدین ۔ بلا لو۔ اسی خانہ باغ میں ہم انھیں باریاب کریں گے۔ (اوزبک چلا جاتا ہے ) جلال۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ چنگیز کی طرف سے شکایت لائے ہیں تمہیں یاد ہے ان سوداگروں کا واقعہ؟

جلال الدین ۔ وہ قتل غلطی تھی۔

علاء الدین سوداگروں کے بھیس میں وہ لوگ جاسوسی کر رہے تھے۔ جاسوسوں کی سزا موت ہے۔

جلال الدین۔ اگر وہ جاسوس تھے بھی تو اتنی بھاری سزا دینا بے رحمی تھی۔ ایک دو نہیں پچاس ساٹھ آدمیوں کو خون میں نہلا دیا گیا۔

علاء الدین ۔ تم کو ابھی حکومت کا تجربہ نہیں۔ جب میری جگہ تخت پر بیٹھو گے تو معلوم ہوگا کہ جب تک انسانوں کا خون نہ بہے سلطنت کی آبیاری نہیں ہوتی ۔ یہ کھیتی لہو اور آنسو کے بغیر ہری بھری نہیں رہتی۔

جلال الدین۔ ایسی کھیتی کا سوکھ جانا ہی بہتر ہے۔

( اوزبک چنگیز کے دونوں ایلچیوں کو لیکر داخل ہوتا ہے )

اوزبک ۔ (ایلچیوں سے) بادشاہ جہاں پناہ سلطان بحر و بر سلطان ابن سلطان حضرت علاء الدین خوارزم شاہ سکندر ثانی (دونوں ایلچی ادب سے سر جھکاتے ہیں)

علاء الدین ۔ تم اپنے بادشاہ کی طرف سے کیا پیام لائے ہو ۔

پہلا ایلچی ۔ آسمان پر خدا ہے ۔ اور زمین پر خاقان ۔ شہنشاہ کشورستان خان اعظم چنگیز خاں کو اس دربار سے شکایت ہے کہ تاتاری سوداگروں کو بے گناہ قتل کر دیا گیا ۔

جلال الدین ۔ تاتاری کیسے ۔ وہ تو ہماری قوم سے تھے ۔ اور ہمارے مذہب کے پیرو ۔

دوسرا ایلچی ۔ ہاں مگر وہ خاقان کی رعایا بن چکے تھے ۔ اس لیے ان کے وہی حقوق تھے جو تاتاریوں کے ہیں ۔

علاء الدین ۔ وہ لوگ جاسوس تھے ۔ اور جاسوسی کی سزا موت ہے ۔ وہ سب بے ایمان اسی قابل تھے کہ انکی گردنیں اڑا دی جاتیں ۔ خاقان کے پاس لفظ بہ لفظ یہی جواب پہونچا دیا جائے ۔

پہلا ایلچی ۔ عالیجاہ ۔ گستاخی معاف ۔ اس جواب سے کہیں دونوں سلطنتوں کی دوستی دشمنی سے نہ بدل جائے ۔

جلال الدین ۔ تمہارے خاقان کی سلطنت کتنی وسیع ہوگی ۔

دوسرا ایلچی ۔ لاکھوں مربع میل ۔ جس وقت سے سلطنت خطا فتح ہوئی ہے آبادی اور دولت کی کوئی حد نہیں ۔

اوزبک ۔ خالص صحرائی باشندے کتنے ہیں ۔ یہہ بتاؤ ۔ تاتار ۔ منگول اور دوسرے سب قبائلی ۔

پہلا ایلچی ۔ قبائلی بھی تعداد میں چیونٹیوں سے زیادہ ہیں ۔

دوسرا ایلچی ۔ اور لڑائی میں شیروں سے بڑھ کے طاقت ور اور شکار میں چیتوں سے زیادہ چالاک۔

علاءالدین ۔ اتنا بڑا لشکر دور دراز مقامات پر کیسے جا سکتا ہے۔ قراقورم اور خوارزم میں ہزاروں میل کا فاصلہ ہے۔

جلال الدین ۔ اگر جنگ چھڑ جائے تو لشکر کو یہاں پہونچتے پہونچتے برسوں لگ جائیں گے۔

اوزبک ۔ اس کے علاوہ کثیر فوجوں کے لیے رسد کا انتظام بھی کوئی کھیل نہیں۔

پہلا ایلچی ۔ ہم نسل اور عقیدے میں تاتاریوں سے الگ ہیں لیکن ان کا نمک کھاتے ہیں اس لیے اس بارے میں کچھ نہیں بتا سکتے۔

علاءالدین ۔ کہو کہو ۔ کچھ تمہارے کہنے سے ان پر آفت نہیں آجائے گی نہ ان کے سروں پر آسمان ٹوٹ پڑے گا اور نہ ان کے قدموں تلے زمین پھٹ پڑے گی۔

دوسرا ایلچی ۔ ہمیں کہنے میں کوئی عذر نہیں۔ لیکن سننے والوں کو مشکل سے یقین آئے گا واقعہ یہہ ہے کہ وہ لوگ انسان نہیں جن ہیں۔ ان کی فوجوں کو غذا کی ضرورت نہیں۔ جب بھوک لگے گھوڑوں کی رگیں کھول کر خون پی لیتے اور پھر رگ بند کر دیتے ہیں۔

پہلا ایلچی ۔ اور گھوڑوں کو بھوک لگے تو وہ اپنے سُموں سے زمین کھود کر برفیلے میدانوں میں بھی اپنا چارہ آپ حاصل کر لیتے ہیں۔

اوزبک ۔ ان کے عقائد کیا ہیں۔ کیا وہ خدا کو مانتے ہیں یا چاند ستاروں کی پوجا کرتے ہیں۔

دوسرا ایلچی ۔ نہ وہ خدا کو مانتے ہیں نہ خدائی کو۔ وہ سوائے اپنے خاقان کے کسی کی پرستش نہیں کرتے۔ وہی ان کا مالک ہے۔ وہی ان کا

پالنے والا۔ وہی ان کا ان داتا۔

جلال الدین۔ جو قوم ظالم کی پرستش کرے وہ دو طرح سے ظالم ہے۔ کیونکہ وہ نہ صرف دوسروں پر بلکہ خود اپنے اوپر ظلم کرتی ہے۔

علاء الدین۔ اخلاق کا ان کے ہاں کیا معیار ہے۔ وہ بھلے برے کی تمیز کس طرح کرتے ہیں۔

پہلا ایلچی۔ وہاں بھلے برے کی تمیز ہے نہ حلال و حرام کی بحث۔ سب اپنی خواہشات کے بندے ہیں۔ ہر جانور کا گوشت کھاتے اور ہر قسم کی شراب پیتے ہیں۔ اور جتنی چاہے عورتیں گھر ڈال لیتے ہیں۔ شادی بیاہ کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

جلال الدین۔ عجیب وحشی قوم ہے۔

علاء الدین۔ انکے جنگی اصول کیا ہیں۔

دوسرا ایلچی۔ جنگ میں ان کا کوئی اصول نہیں۔ جانوروں کی طرح انسانوں کا شکار کرتے ہیں۔ بچے بوڑھے مرد عورت ضعیف اپاہج کسی پر رحم نہیں کھاتے۔ سب کا صفایا کر دیا جاتا ہے۔ کوئی ان بے گور و کفن شہیدوں کی موت پر رونے والا تک نہیں باقی رہتا۔

اوزبک۔ خدا پناہ میں رکھے ایسے درندوں سے۔

پہلا ایلچی۔ جس وقت لشکر نکلتے ہیں تو میلوں اور فرسخوں کی جگہ عرض بلد اور طول بلد کے درجے طے کرتے ہیں۔ جو شہر راستے میں ملے وہ صفحۂ ہستی سے مٹ جاتا ہے۔ دریا اپنا رخ بدل دیتے ہیں۔ جنگل فراریوں اور زخمیوں سے آباد ہو جاتے ہیں۔

دوسرا ایلچی۔ اور جس مقام سے ان کا گذر ہوتا ہے وہاں کی زمین پر مردے کھانے والے بھیڑیوں اور گیدڑوں اور گدھوں کے سوا کوئی جاندار نظر نہیں آتا۔

پہلا ایلچی ۔ مختصر یہ کہ ان کی آمد پر قیامت سے پہلے قیامت آجاتی ہے۔

علاءالدین ۔ (غصہ سے) پھر تو وہ دجّال ہیں ۔ اور تم روٹی کے ٹکڑے کے لیے سیدھا راستہ چھوڑ کر ان کی امت میں جا ملے ہو (اوزبک سے) لیجاؤ ان غداروں کو ۔

(اوزبک اور دو پہرے دار ایلچیوں کو لے کر باہر چلے جاتے ہیں۔ کچھ دیر بعد پہرے دار واپس آکر اپنی جگہ کھڑے ہو جاتے ہیں لیکن اوزبک واپس نہیں آتا ۔)

جلال الدین ۔ وہ اپنے مالک کے وفادار خادم ہیں ۔ غدار کیسے ٹھیرے۔

علاءالدین ۔ ان کا مالک انسانیت کا دشمن ہے اور اس کے تمام خادم نوع انسانی کے غدار ۔

جلال الدین ۔ ابا جان یہہ لوگ یہاں سے جاکر اس برتاو کا چرچا کریں تو نتیجہ کیا ہوگا

علاءالدین ۔ یہہ لوگ یہاں سے واپس نہیں جائیں گے ۔ سب سے پہلے میں ان دونوں کی ڈاڑھیاں جلوادوں گا ۔ اور پھر ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

جلال الدین ۔ سوداگروں کے قتل کے بعد یوں بھی ان کا بادشاہ مشتعل ہے ۔ اب ان ایلچیوں کو قید کرنا گویا جلتی آگ پر تیل چھڑکنا ہے۔

علاءالدین ۔ وہ ایلچی قید میں نہیں رہیں گے ۔ بلکہ زندگی کی قید سے رہائی پالیں گے ۔

جلال الدین ۔ پھر تو جنگ کے لیے تیار رہنا چاہیئے۔

علاءالدین ۔ جنگ کے لیئے اور فتح کے لیئے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

(مولانا نورالدین داخل ہوتے ہیں ۔ مولانا کی عمر ۵۰ کے لگ بھگ ہے ۔ ڈاڑھی موچھوں میں کچھہ سفید بال آگئے ہیں ۔ سر پہ عمامہ اور بدن میں عبا ہے) ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

آیئے مولانا میں آپ ہی کا منتظر تھا۔ کہیے بغداد سے کیا خبر لائے ہیں۔
دربار خلافت کے کیا حالات ہیں۔

نورالدین ۔ خلیفہ ناصر کے دربار کے حالات ناگفتہ بہ ہیں۔ گو کئی پشتوں سے سلطنت
برائے نام رہ گئی ہے لیکن اب بھی وہ عوام کی عقیدت کے سہارے
فرعون بے سامان بنا بیٹھا ہے۔

جلال الدین ۔ کیا آپ کی رسائی وہاں تک ہوئی۔

نورالدین ۔ یہ کیسے ممکن تھا۔ بڑے بڑے بادشاہوں کی وہاں تک پہونچ نہیں ہو سکتی۔
آستانہ چوم کر لوٹ جاتے ہیں۔ جیسے خدائے برتر کے حضور میں عاجز بندے۔

جلال الدین ۔ یہہ خود ساختہ خدا بندوں سے زیادہ عاجز ہے۔

نورالدین ۔ اس پر بھی بغداد کے جہلا اس کی پوجا کرتے ہیں۔

علاء الدین ۔ بغداد کے علماء کا کیا رنگ ہے۔

نورالدین ۔ ان کا رنگ گرگٹ کی طرح ہر وقت بدلتا رہتا ہے۔ گھڑی میں کچھہ گھڑی
میں کچھہ۔ کوئی ایک رنگ نہیں۔ ہوا کے رخ کے ساتھ انکی رائے میں
تبدیلی ہوتی ہے۔ جدہر ناصر کا رجحان دیکھتے ہیں فتوے صادر کر دیتے ہیں۔

جلال الدین ۔ اور شہر کے ادیب اور شاعر۔

نورالدین ۔ ان کی عمریں جھوٹے قصیدے لکھنے میں برباد ہو رہی ہیں۔ جس ٹٹ پونجیے
کے پاس دو چار گاؤں کا علاقہ ہو وہ اسے شہنشاہوں سے بڑھا دیتے
ہیں۔ سکندر صولت۔ دارا حشمت۔ جم مرتبت۔ فخر فریدون و افراسیاب
رشک کیقباد و اسفندیار۔ اور نہ جانے کیا اور کیا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
اور جب ان قصیدوں پر بھی انعام نہیں ملتا تو پھر اس کی ہجو لکھ کر
طنز و حقارت کے زہر میں بجھے ہوئے تیروں کی اس پر بوچھار کر دیتے ہیں۔

علاءالدین۔ خیران لوگوں سے ہمیں کیا لینا ہے۔ فوج کے سرداروں کی بابتہ سنایئے
کیا ان پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔

نورالدین۔ وہ ایک سے ایک بڑھکر سازشی ہیں۔ مجھ سے کہتے ہیں وقت پڑنے پر
ناصر کو تخت سے اتار کے آپکے نامزد کردہ خلیفہ کو بٹھا دیں گے۔ ناصر کو
مشورہ دیتے ہیں کہ آپ کی طاقت توڑنے کے لیے چنگیز سے مدد مانگے۔

علاءالدین۔ تو یہہ افواہ صحیح ہے کہ بغداد کے ایلچی میرے خلاف مدد مانگنے کے لیے
قراقورم روانہ کیے گئے ہیں۔

نورالدین۔ بالکل صحیح ہے۔ بغداد کا بچہ بچہ جانتا ہے کہ ناصر تاتاریوں سے سازباز
کر رہا ہے۔

جلال الدین۔ جیسی روح ویسے فرشتے۔

نورالدین۔ بے وقوف اتنا نہیں سمجھتا کہ غیروں کے بل بوتے پر اپنوں سے لڑنے
والے ایک دن خود غیروں کے غلام بن جاتے ہیں۔ وہ ہماری سلطنت
پر چڑھائی کرنے کے لیے چنگیز کو دعوت تو دے رہا ہے مگر اسے یہہ
نہیں معلوم کہ ہمارا زور ٹوٹ جائے تو خود اس کا کیا حشر ہوگا۔

جلال الدین۔ چنگیز ہی کے ساتھ اس کا حشر بھی ہوگا۔

علاءالدین۔ آج کل چنگیز کی توجہہ اس سلطنت کی طرف پہلے سے زیادہ ہوگئی ہے۔ آئے
دن سوداگروں کے بھیس میں جاسوس ایران و توران کے چکر کاٹتے رہتے ہیں
خیر۔ میں نے بھی ارادہ کر لیا ہے کہ ایک ہی وار میں مشرق اور مغرب دونوں طرف
کے دشمنوں کا خاتمہ کر دوں گا۔

(پہلے سلطان اور اسکے بعد شہزادہ اور پھر پہرہ دار اندر محل کی طرف چلے جاتے
ہیں۔ مولانا نورالدین دوسری جانب کے راستے سے باہر جاتے ہیں۔)

# تیسرا ایکٹ

## پہلا سین

(قراقورم کے باہر ایک وسیع میدان میں چنگیز اور اس کے سپہ سالار سوابدای بہادر اور جبی نویان اور اس کا مصاحب خاص دبخوبچی فوجی لباس پہنے ہوئے لشکر کے کوچ کرنے سے پہلے آپس میں مشورے کر رہے ہیں۔ ان سب کے سروں پہ خود جسم پر زرہ بکتر اور ہاتھوں میں بھالے ہیں۔ ان کے ساتھ سلطنت کا وزیر لیو چیتسائی اپنی قومی پوشاک زیب تن کیے صلاح مشورے میں شریک ہے۔ پہلے کی طرح پہرہ پر کچھ افسر گرز لیے کھڑے ہیں۔ ایک جانب ایک ترخان منگول کا علم نُہ پایہ ہاتھوں میں تھامے ہوئے ہے)

**چنگیز** ۔ خوارزم شاہ نے لڑنا پسند کیا۔ اب جو گذرنے والا ہے وہ گذرے گا اور کیا گذرے گا اس کا کسی کو علم نہیں۔

**لیو چیتسائی** لڑائی کا راستہ اختیار کر کے سلطان اپنی موت کو بلاوا دے رہا ہے۔ کاش وہ صلح و آشتی کا پیام دیتا۔

**جبی نویان** ۔ صلح و آشتی کا اب موقع نہیں رہا۔

سوابدائی بہادر۔ خاقان کے حکم سے تمام صحرائی قبیلوں کے جان نثار اکھٹے ہو گئے ہیں۔ اور
طبل جنگ پر چوب پڑنے کی دیر ہے کہ لاکھوں سپاہیوں کا انبوہ ایک
جسم کی طرح حرکت کرنے لگے گا۔

بغورچی ۔ جوان اور بوڑھے سب کے سب اپنے مالک پر فدا ہونے کے لیے بے چین ہیں
سوابدائی بہادر۔ جہاں شہنشاہ کا پسینہ ٹپکے وہاں ہم اپنا خون بہادیں گے۔

جبی نویان ۔ اپنے خون سے زیادہ ہمیں دشمن کا خون بہانا ہے۔ اس کے شہروں کو
آگ لگانا ہے۔ اس کے کھیتوں اور کھلیانوں کو راکھ کا ڈھیر بنانا ہے
تاکہ آگ اور خون کے طوفان سے کوئی فرد بشر بچنے نہ پائے اور جو بچے
قحط اور وبا اس کا کام تمام کر دے۔ ہمارا مقصد یہ ہونا چاہیے کہ جس قوم
پر فوج کشی کر رہے ہیں اس قوم کا بیج دنیا میں نہ رہے۔

لیوچتسائی ۔ یہ فوج کشی نہیں نسل کُشی ہوگی۔

جبی نویان ۔ فوج کشی نسل کُشی ہی کا دوسرا نام ہے۔ جب دو دنیاؤں میں ٹکر ہوتی
ہے تو کسی ایک کا فنا ہونا قدرتی امر ہے۔

چنگیز ۔ جس طرح آسمان پر دو آفتاب نہیں رہ سکتے اسی طرح زمین پر دو بادشاہ
حکومت نہیں کر سکتے۔

سوابدائی بہادر۔ روئے زمین پر صرف ایک ہی بادشاہ حکومت کرنے کا حق دار ہے اور وہ ہمارا
خاقان۔ تاجوں اور تختوں کا مالک۔ تمام نسل آدم کا شہنشاہ ہے۔

لیوچتسائی ۔ عالی جاہ کی غیر موجودگی میں سلطنت کا انتظام کس کے سپرد رہے گا۔

چنگیز ۔ ہم اس غرض کے لیے ایک مجلس بنادیں گے۔ جس طرح ملک خطا پر
ہماری جانب سے حکومت کرنے کے لیے متولی اور دوسرے سردار مقرر
ہیں اسی طرح دشت گوبی کے انتظام پر ہمارے نمایندے مامور رہیں گے۔

سوابدای بہادر۔ شہزادوں کے بارے میں کیا حکم ہے۔

چنگیز ۔ ۔ جوجی کو سیر و شکار کا میر سامان بنایا جاتا ہے چغتائی امیر سیاست اور اوگدائی امور سلطنت کا نگران رہے گا ۔ تولی کو ہم لشکر کا انتظام سپرد کرتے ہیں۔

بغورچی ۔ درست ۔

چنگیز ۔ چغتائی قراقورم ہی میں رہے گا۔ اور ملکہ بورتہ کے مشورے سے یہاں کے کام سنبھالے گا۔ باقی شہزادے ہمارے ہم رکاب رہیں گے۔

جبی نویان ۔ جن امیروں کی طرف سے شبہہ ہے کہ وہ ہماری غیر موجودگی میں بغاوت کی آگ بھڑکائیں گے حکم ہو تو ان کو (جھجکتے ہوئے) ٹھنڈا کر دیا جائے۔

چنگیز ۔ کیا مطلب ۔

جبی نویان ۔ ان کو ختم کر دیا جائے۔

چنگیز ۔ ان طریقوں سے امن قائم نہیں رہ سکتا ۔بلکہ بدامنی اور بڑھے گی.......
قتل عام غیر قوموں کے واسطے ہے اپنی قوم کے لیے نہیں۔

سوابدای بہادر۔ حضور بجا فرماتے ہیں۔ ایک بار تاتاریوں کی تلوار تاتاریوں کی گردن پر چلنے لگے تو سارے دشت گوبی میں خانہ جنگی شروع ہو جائے گی۔

لیوچیتسائی ۔ فدوی کی رائے میں ایسے مشتبہ سرداروں کو دور دور کے علاقوں میں پھیلا دینا چاہیے تاکہ پائے تخت میں کوئی فتنہ کھڑا نہ کر سکیں۔

جبی نویان ۔ مجھے وزیر کی اس تدبیر سے اتفاق نہیں میری رائے میں جتنے سرکش سردار ہیں ان سب کا سر کچل دینا چاہیے ۔

چنگیز ۔ ایک سے ایک بڑھ کے خطرناک تجویز ہے ۔ ارے کام وہ کرنا چاہیے کہ سانپ مرے لاٹھی نہ ٹوٹے ۔کسی کا سر کچلنے کی ضرورت نہیں ۔سب کو

ہمارے ساتھ چلنے کا حکم دے دیا جائے۔

**لیوچیتسائی** ۔ بہترین تدبیر ہے۔حضور کی آنکھوں کے سامنے رہ کر کسی کو دم مارنے کی مجال نہ ہوگی۔

**بغورچی** ۔ زخمیوں کی مرہم پٹی اور بیماروں کی دیکھ بھال کون کریں گے۔

**لیوچیتسائی** ۔ ملک خطا کے ایک ہزار طبیب میری نگرانی میں یہ خدمت انجام دیں گے۔

(ایک افسر داخل ہوتا ہے)

**افسر** ۔ جہاں پناہ ۔ کل رات کئی جگہ پالا پڑا ہے۔ گلی کوچے مکان میدان سب تہ درتہ برف سے ڈھک گئے ہیں۔ لشکر کے نجومیوں کا خیال ہے کہ آج کوچ کرنا مناسب نہیں۔

**چنگیز** ۔ کیوں آج کوچ کرنے میں کیا ہرج ہے؟

**افسر** ۔ برف باری کے بعد سفر کرنا نحس سمجھا جاتا ہے۔ سارے نجومی یہی کہہ رہے ہیں۔

**چنگیز** ۔ (بگڑ کر) وہ نجومی گدھے ہیں ۔ نالایقوں کو بڑی بڑی تنخواہیں اسی لیے ملتی ہیں کہ وقت بے وقت منحوس زبان نکال کر فوج کو بد دل کریں۔ لیوچیتسائی ۔ تم کہو کیا واقعی برف گرنے کے بعد سفر کرنا منحوس ہے۔

**لیوچیتسائی** ۔ جہاں پناہ ۔ عام طور پر تو یہ شگون برا ہے لیکن اس موقع پر میں اس کو نیک فال خیال کرتا ہوں۔

**چنگیز** ۔ (خوش ہو کر) سن لیا ۔ نجوم اس کو کہتے ہیں۔ پیشین گوئی اس کا نام ہے۔

**لیوچیتسائی** ۔ اس برف باری کا مطلب یہ ہے کہ سرد ملکوں کا مالک گرم ملکوں کے

بادشاہ پر غالب آئے گا۔

چنگیز ۔ تم ٹھیک کہتے ہو۔ (افسر سے) فوج کو آج ہی کوچ کا حکم دے دیا جائے۔

افسر ۔ بہت خوب۔ (چلا جاتا ہے)

چنگیز ۔ جبی نویان۔ تم چالیس ہزار سپاہ کے ساتھ طینشان کی پہاڑیوں کے راستے سے غنیم کے ملک میں گھسو گے۔ جوجی ساٹھ ہزار کا لشکر لے کر وادیوں کی راہ داخل ہوگا۔ مابدولت فوج کے بڑے حصہ کو ساتھ لے کر یہ مہم سر کریں گے۔

جبی نویان۔ خطا کے دس ہزار جاں نثاروں کو بھی ترتیب دے کر دشمن پر آگ برسانے کے لیے کیل کانٹے سے لیس کر دیا گیا ہے۔

چنگیز ۔ یہ تومان خوارزم شاہ کے قلعوں کو مسمار کرنے میں مدد دے گا۔ اس کو اصل لشکر کے ساتھ رکھا جائے۔ باقی سپاہ دس دس ہزار کے دستوں میں بٹ کر اپنے اپنے افسر کے تحت کوچ کرے۔

جبی نویان۔ مردوں کو چوٹھے چکی کے بکھیڑوں سے بچانے کے واسطے اس مہم میں ہماری عورتیں بھی ہمارے ساتھ چلنے کی آرزو مند ہیں۔

چنگیز ۔ (خفا ہو کر) عورتیں ساتھ چل کر کیا کریں گی۔ میدان جنگ کتنی چوٹی کے جھگڑے مول لینے کے لیے نہیں ہے۔ ان سے کہو گھر ہی میں رہ کے خیموں کو مردوں کی واپسی کے لیے درست رکھیں۔

سوابدای بہادر۔ درست۔

چنگیز ۔ اس کے علاوہ جب ہمارے قاصد اور دورہ کرنے والے فوجی افسر ادھر

آئیں نورات بسر کرنے کے لیے ان کو صاف ستھری جگہ اور کھانے
کے واسطے صاف ستھرا کھانا مہیا کریں۔ بیویاں اپنی قوم کے لڑنے
والوں کی خدمت اس طرح بھی کرسکتی ہیں۔

جبی نویان۔ لیکن یہ جنگ طول کھینچے تو مرد بغیر عورتوں کے اتنی مدت تک کیسے
رہ سکتے ہیں۔

چنگیز۔ (برہمی سے) کون کہتا ہے کہ مرد بغیر عورتوں کے رہیں۔ جن شہروں کو
فتح کیا جائے گا کیا وہاں عورتیں نہ ہوں گی وہ آخر کس دن کے لیے ہیں۔

سوابدای بہادر۔ دوسرا سوال رسد کا ہے۔ دو ہزار میل کا سفر درپیش ہے۔ پانچ
لاکھ سپاہ کے لیے خوراک اور دس لاکھ گھوڑوں کے واسطے چارا مہیا
کرنا پڑے گا۔ اس برف باری کے موسم میں راستے کے گاوں اور
میدانوں میں اتنی رسد کیسے مل سکے گی۔

چنگیز۔ اسی لیے میں کہتا ہوں لشکر کو پھیلا دو۔ تاکہ کسی ایک حصہ پر بار
نہ پڑے۔

بغورچی۔ مویشی کے جو بڑے بڑے گلے جمع ہیں وہ کئی مہینوں تک کافی ہیں
اس کے بعد زمین سے گھاس اُگ آئے گی۔

چنگیز۔ مہینے بھر میں سفر طے ہو لینا چاہیئے تاکہ حریف کو خبر ہونے سے
پہلے ہم اس پر برق آسا حملے شروع کردیں۔

جبی نویان۔ پورا لشکر بگولے کی طرح اٹھے گا اور آندھی کی طرح چلے گا۔

چنگیز۔ اور پھر اس آندھی پر چار جامہ کس کے اسے دشمن پر چڑھا یا
جائے گا۔

سوابدای بہادر۔ جہاں پناہ کے اقبال سے خوارزم شاہ کی رعایا کو اس دنیا میں کہیں

پناہ نہ ملے گی۔ کوہ فرغنہ سے بحر خزر تک ہم سارے علاقے میں ترکوں کی ترکی تمام کر دیں گے۔

جبی نویان۔ ہر سپاہی خدمت کا پورا پورا حق ادا کرے گا۔

چنگیز۔ نہ کرے گا تو اس کے اور اس کے بال بچوں کے حق میں برا ہوگا۔ جو دشمن سے بھاگے وہ میرے ہاتھوں سے زندہ نہیں بچے گا۔

بغورچی۔ ایسی نمک حرامی کسی سے نہ ہوگی۔ سب سر سے کفن باندھ کے نکلے ہیں مرنے مارنے کے لیے تیار۔

چنگیز۔ (جذباتی انداز میں) ہوسکتا ہے کہ ہم خود اس مہم سے جیتے جی واپس نہ لوٹیں۔ ایسی صورت میں ہمارے احکام کی ہمارے بعد بھی ایسی ہی تعمیل ہونی چاہیے جیسی ہماری زندگی میں۔ ان احکام کا جنھیں یاسا کہا جاتا ہے ایک ایک لفظ اہم ہے۔ اس کی بدولت ہم نے آدھی دنیا کی دولت حاصل کی اور اسی کے طفیل سے ہماری اولاد باقی دنیا پر حکمرانی کرے گی (چلا کر) جاؤ اور تمام لشکر میں منادی کر دو۔ یاسا آسمانی کتاب ہے۔ اور میں خدا کا بھیجا ہوا ہوں۔ قوموں کو ان کے کرتوت کی سزا دینے قہر الٰہی بن کر آیا ہوں۔ زمین کی پیٹھ پر زمانے کے عتاب کا تازیانہ لگانے کے لیے۔ اس جنگ میں نہ ہم کسی کو امان دیں گے نہ کسی سے ہم امان مانگیں گے۔ جیت اسی کی ہوگی جو بڑی سے بڑی تعداد میں گردنیں اڑائے۔ اور فرش خاک پر آدم خاکی کا زیادہ سے زیادہ خون بہائے۔ ہارنے والے کی خدا بھی مدد نہیں کرے گا۔ دنیا فتح کی نقارچی ہے۔ جنت بھی اسی فاتح کے قدموں کے پیچھے ہے جو بے دھڑک لڑائی کے دوزخ کی دہکتی آگ

ہیں سے ہنستا ہوا گذر جائے ۔

(نقارہ پر چوب پڑنے کی آواز آتی ہے ۔ مختلف جنگی باجوں کی موسیقی)

سوابدائی بہادر لشکر نے کوچ کرنا شروع کر دیا ۔

چنگیز ۔ (جاتے ہوئے) سب کام ہمارے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق ہوں ۔

(چلا جاتا ہے)

بغورچی ۔ جس دن کے لیے مدت سے تیاریاں ہو رہی تھیں وہ دن آپہنچا ۔
قسمتوں میں رد و بدل کرنے کی گھڑی ۔ سلطنتوں کو زیر زبر کرنے
کی ساعت ۔ (چلا جاتا ہے)

جبی نویان ۔ ہمارا نعرہ ہے تخت یا تختہ ۔ اہل زمین خبردار ہو جائیں ۔ پھر ایک بار
روئے زمین پر زلزلہ پڑنے والا ہے ۔ (چلا جاتا ہے)

(لیو چیتسائی کے سوا سب چلے جاتے ہیں)

لیو چیتسائی ۔ (تنہا) خدا رحم کرے ۔ تلوار دیوانوں کے ہاتھوں میں ہے ۔

(چلا جاتا ہے)

# تیسرا ایکٹ

## دوسرا سین
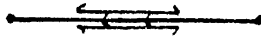
(ملکہ کلاں خاتون کا خیمہ۔ پہلے کی طرح ملکہ زرق برق لباس پہنے ہوئے ہے۔ پاس قبیلہ مکریت کا ایک سردار جو ملکہ سے چار پانچ برس بڑا ہے۔ بیٹھا ہوا ملکہ سے راز و نیاز کی باتیں کر رہا ہے۔ مکریت کے جسم پر پرانا اونی لبادہ ہے۔ سر پر معمولی نمدے کی ٹوپی۔ چہرے پر مردانہ حسن۔ لب پر سیاہ مونچھیں ڈاڑھی منڈھی ہوئی۔)

ملکہ ۔ (گھبرائی ہوئی آواز میں) مکریت۔ تمہیں اس شہر کا رخ نہ کرنا چاہیے تھا۔ میں نے تم سے کہدیا تھا کہ اب تمہارے حق میں میں مر چکی ہوں۔

مکریت ۔ مجھے معاف کیجیے ملکہ۔ میں اس نافرمانی کے لیے آپ کا قصوروار ہوں۔ مگر میں کیا کرتا۔ اپنے دل سے مجبور تھا۔

ملکہ ۔ اگر خاقان کو اس کی خبر ہو جائے تو ہمارا کیا حشر ہو گا۔ کچھ نہ ہونے پر دوبار۔ مجھے زہر دے کر جان سے مارنے کی کوششیں کی جا چکی ہیں۔

مکریت ۔ خاقان اس وقت یہاں سے ہزاروں کوس دور ہے۔

ملکہ ۔ وہ جہاں کہیں ہو اس کو رتی رتی کی خبر ملتی ہے۔ اس کے جاسوس سارے شہر میں پھیلے ہوئے ہیں۔ خود اس محل کی دیواروں کے کان ہیں کھڑکیوں اور دریچوں کی آنکھیں۔ اگر اس واقعہ کی اس کو خبر ہو گئی تو وہ تم کو زندہ دفن کروا دیگا۔

مکریت ۔ پروا نہیں۔ میں یوں بھی زندہ دفن ہوں۔ جس دن اس نے تمہیں مجھ سے واپس چھینا ہے اسی دن اس نے میری زندگی چھین لی۔ اب مجھے کسی سزا کا ڈر نہیں۔

ملکہ ۔ تمہیں خوف نہ سہی۔ مجھے تو ڈر ہے۔ جان جانے کا نہیں بدنامی کا ڈر۔

مکریت ۔ بدنامی کیسی۔ ساری دنیا جانتی ہے کہ تم میرے گھر میں رہ چکی ہو اور گو مجھ سے ہمیشہ کے لیے جدا کر دی گئیں لیکن تمہاری محبت اب بھی میرے دل میں اسی طرح تازہ ہے۔

ملکہ ۔ مکریت۔ اس بھید کو اپنے ہی سینے میں رکھو۔

مکریت ۔ خاقان چاہے کچھ باور کرے مگر میرا دل گواہی دیتا ہے تم اس سے خوش نہیں ہو۔

ملکہ ۔ خاقان کو بھی شبہ ہے۔ کئی بار اس نے کھوج لینے کی کوشش کی۔

مکریت ۔ تو تم کو چاہیے تھا اقرار کر لیتیں۔

ملکہ ۔ اقرار کر کے سب میں ذلیل ہوتی۔ اس کے بعد میرا رتبہ کیا رہ جاتا۔

مکریت ۔ اس وقت تمہارا کون سا رتبہ ہے۔ خاقان کے محل سرا میں پانسو عورتیں ہیں۔ ایک سے ایک حسین۔

ملکہ ۔ مگر وہ سب خدمت گاروں کے پیچھے دوڑتی ہیں۔

مکریت ۔ پھر بھی بادشاہ کی بیویاں کہلاتی ہیں۔
ملکہ ۔ سوائے ملکہ بورتہ اور دو چار بیویوں کے ان میں سے کسی کے سر پر ملکہ کا تاج نہیں۔ کسی کے بیٹوں کو شہزادوں کا خطاب نہیں دیا گیا۔
مکریت ۔ ملکہ کا تاج پہننے کے بعد ایک معمولی شریف گھرانے کی عورت کیسا محسوس کرتی ہے۔
ملکہ ۔ اپنے بارے میں کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا۔ البتہ اپنی ظاہری شان وشوکت بڑھ جانے سے دوسرے اپنے سے چھوٹے نظر آتے ہیں۔ جیسے اونچے پہاڑ کی چوٹی سے نچلے میدانوں میں راستہ چلنے والے۔
مکریت ۔ جھوٹی شان وشوکت سچی محبت کا بدل نہیں ہو سکتی (پیار سے) ملکہ ...... کلاں ...... خاتون۔
ملکہ ۔ مکریت ۔ اب اس محبت کو بھول جاؤ۔ وہ زمانہ ہمیشہ کے لیے گذر چکا۔ دریا کا بہتا ہوا پانی لوٹ کر واپس نہیں آتا۔
مکریت ۔ لاکھ کوشش کرتا ہوں لیکن خوشی کی جو رنگین گھڑیاں بیت چکی ہیں ان کی یاد دل سے نہیں مٹتی۔ مسرت کی جو حسین شکل آنکھوں میں سما چکی ہے وہ صورت نظروں سے غائب نہیں ہوتی۔
ملکہ ۔ ڈھلتی جوانی میں گذرے ہوئے عیش کی یاد خواب میں کھوئی ہوئی جنت کا خیال ہے۔
مکریت ۔ جنت کے گلزاروں پر خزاں کا سایہ نہیں پڑتا۔ میرے خوابوں کی دنیا میں بھی تمہارا حسن اسی طرح سدا بہار ہے۔
ملکہ نظر فریب خواب دیکھنے سے اصلیت کا روپ نہیں چھپ سکتا۔ حقیقت ہر قدم پر آنکھیں نکال کے گھورتی ہے۔

مگریت ۔ میری آنکھوں پر چاہت کے پردے پڑے ہیں۔ ان آنکھوں میں تمہارا شباب ہمیشہ ایسا ہی نوخیز رہے گا جیسا کہ پہلی ملاقات کے وقت تھا۔ وہ ایک سال جو تمہارے ساتھ بسر ہوا میری ساری زندگی پر چھا گیا ہے۔ وہ تصویر نگاہوں میں جم گئی ہے۔ جب تمہیں دیکھتا ہوں تم بالکل ویسی ہی نظر آتی ہو جیسی دس سال پہلے تھیں۔ گویا یہ ساری طویل مدت، یہ کٹھن دن، یہ مصیبت کے مہینے، یہ آوارہ گردی کے سال جدائی کی چند گھڑیاں تھیں۔

ملکہ ۔ "(مسکراتے ہوئے) میں سمجھی تھی عمر کے تقاضے سے تمہاری وحشت کم ہوگئی ہوگی۔ آغاز شباب کی مستی کے ساتھ عشق اولین کا نشہ ہرن ہو چکا ہوگا۔ مگر تم میں اب بھی وہی دیوانہ پن ہے جو اس زمانے میں تھا۔

مگریت ۔ میری محبت ایسی نہ تھی کہ ماہ و سال کے بدلنے سے بدل جاتی۔ تمہیں یاد نہیں تم اس وقت مجھ سے کہا کرتی تھیں کہ میرے جذبات میں آندھیوں کا زور اور میرے الفاظ میں بجلیوں کا شور ہے۔

ملکہ ۔ آندھیاں ہمیشہ نہیں چلتیں۔ بجلیاں دن رات نہیں چمکتیں۔

مگریت ۔ جس خطۂ زمین کا میں رہنے والا ہوں وہ بے پناہ طوفانوں کی سرزمین ہے۔

ملکہ ۔ (طنزاً) سرد ہوا اور برف باری کے طوفان۔

مگریت ۔ وہ برف آگ سے زیادہ چرکے دیتی ہے۔

ملکہ (اپنی جگہ سے اٹھ کر) مگریت۔ اب تم یہاں سے چلے جاؤ۔ میں تمہیں حکم دیتی ہوں۔

مگریت ۔ (ادب سے کھڑا ہو کر) ملکہ کا حکم سر آنکھوں پر۔ لیکن میری ایک

درخواست ہے۔

ملکہ کہو کیا کہنا چاہتے ہو۔

مکریت۔ میں یہ کہنے کے لیے آیا تھا کہ مجھے ملکہ کے حضور میں چند دن رہنے کی اجازت دی جائے۔

ملکہ ۔ ناممکن ہے۔

مکریت ۔ ایک ملازم کی حیثیت سے رہنے میں کیا برائی ہے۔

ملکہ ۔ کوئی برائی نہ ہونے پر بھی بہت کچھ برائی ہے۔

مکریت۔ گھر کے ایک معمولی نوکر کا بھیس رہے گا۔

ملکہ ۔ کیا اس بھیس میں خاقان کی نظر اپنے پرانے رقیب کو نہ تاڑے گی۔

مکریت ۔ میں خاقان کی واپسی سے پہلے چلا جاؤں گا۔

ملکہ ۔ محل سرا کے دوسرے نوکروں کو اگر شبہ ہوا۔

مکریت۔ میں کبھی اس کا موقع نہ دوں گا۔ میری بات چیت طور طریق سے کبھی اس کا پتہ نہ چل سکے گا۔ جب چنگیز چین کی مہم پر گیا تھا تو چھ مہینوں تک مجھے اس محل سرا میں چوری چھپے آنے کی اجازت تھی۔ اب بھی تم مجھ پر بھروسہ کر سکتی ہو۔

ملکہ ۔ میں اپنے دل پر بھروسہ نہیں کر سکتی۔ وہ چنگاری جو میں سمجھتی ہوں کہ بجھ چکی اگر کہیں دل کے کسی کونے میں دبی ہوئی رہ گئی ہو تو ایسا نہ ہو وہ سلگ اٹھے۔

مکریت ۔ (خوشی سے پھولوں نہ سما کر) بس بس میں یہی ایک مژدہ سننے کے لیے بے چین تھا۔ اب مجھے گھر بار لٹ جانے کا غم و غصہ رہے گا نہ زندگی برباد ہونے کا دکھ درد۔ اب میری عمر کا بقیہ حصہ سکھ چین سے

گذر جائے گا۔

ملکہ ۔ اب تو تم یہاں سے چلے جاؤ گے۔ اس محل سے باہر۔ اس شہر سے دور۔

مکریت ۔ ہاں میں چلا جاؤں گا۔ دل سے قریب رہنے کی خوشی میں نظر سے دور رہنے کا غم سہنا مشکل نہ ہوگا۔

ملکہ ۔ (اپنے ہاتھ سے انگوٹھی نکال کے مکریت کو دیتے ہوئے) یہ لو۔ یہ تحفہ۔ اس بے زبان محبت کی نشانی جس کا نام ملکۂ جہاں بھی زبان پر نہیں لا سکتی۔

(مکریت انگوٹھی لے کر اسے چومتا ہے اور پھر جیب میں رکھ لیتا ہے)

مکریت ۔ یہ تحفہ میرے پاس خاقان کی سلطنت سے زیادہ قیمتی ہے۔

(مکریت جاتا ہے اس کے بعد ملکہ باہر جاتی ہے۔ پھر چنگیز کے دو ملازم جو پردوں کے پیچھے چھپے ہوئے تھے پیش منظر میں آکر رازدارانہ لہجہ میں یوں گفتگو کرتے ہیں۔)

پہلا ملازم ۔ اس اجنبی کی ڈھٹائی تو دیکھو کہ محل میں آکر ملکہ سے یوں راز و نیاز کی باتیں کرتا ہے۔

دوسرا ملازم ۔ وہ اجنبی نہیں ملکہ کا پرانا چاہنے والا ہے۔

پہلا ملازم ۔ ہمیں شہنشاہ کو اس کی خبر کرنی چاہیئے۔ پھر جو وہ حکم دے۔

دوسرا ملازم ۔ وہ حکم دے چکا ہے۔ اور کسی حکم کی ضرورت نہیں۔

پہلا ملازم ۔ کیسا حکم۔

دوسرا ۔ یاد نہیں لڑائی پر جاتے وقت شاہی فرمان کیا نکلا تھا؟ جو غیر مرد محل سرا میں قدم رکھے بغیر کسی پوچھ گچھ کے اس کا سر اڑا دیا جائے۔

پہلا ملازم ۔ ہاں خوب یاد آیا۔ پھر تم نے تعمیل کیوں نہیں کی۔
دوسرا ملازم ۔ میرے پاس ہتیار نہیں تھے۔ اب کے آئے گا تو وہ بدمعاش زندہ نہیں بچے گا۔
پہلا ملازم ۔ اب کے کیوں آنے چلا۔ وہ تو نہ آنے کا وعدہ کر کے رخصت ہوا ہے۔
دوسرا ملازم ۔ ایسے من چلوں کے وعدے کا کوئی بھروسہ نہیں گرہ میں باندھ رکھو وہ ضرور آئے گا۔
پہلا ملازم ۔ تو اب کے ہم ہتیاروں سے لیس ہو کر اس کی گھات میں رہیں گے۔
(دونوں چلے جاتے ہیں)

# چوتھا ایکٹ

## پہلا سین

(بخارا سے کوسوں دور میدان جنگ کا ایک حصہ۔ شام کا
وقت ہے۔ قریب سے جنگی باجوں کی آوازیں آرہی ہیں
سلطان محمد علاءالدین خوارزم شاہ جو صورت سے تھکا ہوا
نظر آتا ہے اور اس کا بڑا لڑکا جلال الدین جس کے چہرے
اور ہاتھوں پر زخم ہیں اس خون ریز لڑائی کا ذکر کر رہے
ہیں جو ابھی ابھی ختم ہوئی ہے۔ سلطان اور شہزادہ کے
جسم پر زرہ بکتر اور سروں پر سنہری اور روپہلی خود ہیں۔
دونوں خون میں بھری تلواریں ٹیکے ہوئے کھڑے ہیں۔
وہی سپاہی جو اس سے پہلے سلطان کی پاسبانی کر رہے تھے
اب بھی دونوں جانب پہرہ دے رہے ہیں۔)

علاءالدین۔ شاباش۔ میرے بہادر تہمتن - آج میدان جنگ میں تیرا پلہ
دس ہزار دلیروں پر بھاری تھا۔

جلال الدین۔ ابا جان۔ آپ کے اقبال کا سایہ ہمیشہ اس سلطنت پر باقی رہے
خدا نے چاہا تو ملازمان سلطان چنگیزی لشکر کو ایسی شکست فاش
دیں گے کہ پھر ان لٹیروں کو ادھر کا رخ کرنے کی ہمت نہ ہو۔
علاءالدین۔ مجھے اپنے سرفروشوں سے ایسی ہی توقع ہے۔
جلال الدین۔ آج کی فتح اصل میں ان کامیابیوں کی تمہید ہے جو ہمیں دشمن کے
مقابلہ میں حاصل ہو کے رہیں گی۔ جب تک وطن کی مقدس سرزمین
کا چپہ چپہ اس کے ناپاک قدموں سے پاک نہ ہو ہم اطمینان کا سانس
نہ لیں گے۔
علاءالدین۔ بے شک۔ اپنے صف شکن بہادروں سے مجھے ایسی ہی امید ہے۔
جلال الدین۔ ہماری موجودہ فوج اس کام کے لیے شاید کافی نہ ہو۔ آپ نے دیکھا
نہیں۔ دشمن کے ٹڈی دل کس وحشیانہ جوش کے ساتھ ہم پر پے
در پے حملے کر رہے تھے۔
علاءالدین۔ میں دیکھ رہا تھا اور اس کے ساتھ جس دلیری سے ہر جگہ تم انھیں
پیچھے "ڈھکیلتے" جاتے تھے وہ منظر بھی میری نگاہوں میں پھر رہے ہیں۔
جلال الدین۔ میں اپنا فرض ادا کر رہا تھا۔
علاءالدین۔ فرض سے بہت زیادہ۔ تم شمشیر کے ایسے جوہر دکھا رہے تھے
کہ میں کیا سکندر سا بادشاہ ہوتا تو اس پر فخر کرتا۔
جلال الدین۔ سکندر نہ سہی سکندر ثانی تو موجود تھا۔
علاءالدین۔ تاتاری بھی بلا کے جیوٹ ہیں۔ خاص کر ملکو وادی کے دستے، جنھیں
نہ مرنے کا ڈر ہے اور نہ ہارنے کا خوف، اس بے جگری سے لڑتے
ہیں کہ جیسے موت کے فرشتے کو جانیں سونپ کے میدان میں اترے ہیں۔

جلال الدین۔ ملکو وادی ہی نہیں چنگیزی لشکر کے تمام دستوں کا یہی حال ہے ۔ہماری سلطنت کو ان سے بہت بڑا خطرہ ہے۔

علاءالدین ۔ ہماری سلطنت کے اور ان لٹیروں کے درمیان جب تک میری فوجیں سدِ سکندری بنی رہیں گی کسی بات کا اندیشہ نہیں۔

جلال الدین۔ اجازت ہو تو آج کی فتح کی خوشی میں انعامات تقسیم کیے جائیں۔

علاءالدین۔ ضرور ۔ضرور ۔تمام افسروں اور سپاہیوں کو ان کی خدمات کا صلہ دیا جائے اور کل کے لیے جشن کی منادی کر دی جائے ۔ دن رات خوشی کے شادیانے بجیں ۔ہر خیمہ میں چراغاں ہو ۔ہمیشہ سے زیادہ کروفر کے ساتھ دربار سجایا جائے ۔

( اوزبک داخل ہوتا ہے )

اوزبک ۔ جہاں پناہ ۔میں یہ خوشخبری دینے آیا ہوں کہ چنگیزی لشکر میدان سے فرار ہو گیا ۔

علاءالدین ۔ (خوش ہو کر ) میں جانتا تھا آج کی شکست کے بعد ان میں کل کے مقابلہ کی تاب نہ ہوگی ۔

جلال الدین۔ اوزبک ۔اس میں کچھ دھوکا تو نہیں ؟

اوزبک ۔ دھوکا کیسا ۔

جلال الدین ۔ میں نے سنا تھا کہ تاتاری مدمقابل کو دھوکا دینے کے لیے فرار ہونے کے بہانے سے کچھ دنوں کے لیے غائب ہو جاتے اور پھر موقع پا کر دائیں بائیں یا پیچھے کی جانب سے دھاوا بول دیتے ہیں ۔

علاءالدین ۔ ممکن ہے معمولی حریفوں کے مقابلہ میں وہ ایسی چال چل سکیں ۔خوارزم شاہی لشکر سے وہ اس قسم کی آنکھ مچولی نہیں کھیل سکتے ۔

اوزبک ۔ عالی جاہ۔ اگر وہ فوج واقعی فرار ہوئی ہے تو ہم چین سے نہیں بیٹھ سکتے۔
چنگیز کے کئی اور لشکر ملک کے چکر کاٹ رہے ہیں اور کسی جانب سے
بھی نمودار ہو سکتے ہیں۔

علاءالدین۔ جب نمودار ہوں دیکھا جائے گا۔ اب تو فتح کی خوشی میں سب کو انعام
دیا جائے۔ اور کل کے لیے جشن کی منادی کر دی جائے۔

اوزبک ۔ میں انعام تو تقسیم کروا دیتا ہوں۔ لیکن جشن منانے کے لیے سپاہی
شاید آمادہ نہ ہوں۔

جلال الدین۔ کیوں ؟ جشن کیوں نہ منایا جائے۔ کیا ایسے غضب ناک انبوہ پر فتح
پانے کے بعد جشن منانا قدرتی امر نہیں۔

اوزبک ۔ شہزادے صاحب۔ اس فتح کی اتنی بھاری قیمت ادا کی گئی ہے کہ ایسی
اور ایک فتح سے ہمیشہ کے لیے ہمارا دیوالہ نکل جائے گا۔

علاءالدین۔ اس کے کیا معنی۔ آج کی لڑائی میں تو ہم نے دشمن کے چھکے چھوڑا دیے تھے۔

اوزبک ۔ آج کی لڑائی میں ہمارے تین چوتھائی پیادے اور سوار تلف ہوئے ہیں۔
پچھتر ہزار لاشیں میدان میں پڑی ہیں (اس وحشت اثر خبر کو سنکر
علاءالدین سوچ میں پڑ جاتا ہے)۔

جلال الدین۔ پچھتر ہزار جانیں ضائع ہوئیں !!!

اوزبک ۔ جی ہاں۔ پچھتر ہزار گھر بے چراغ ہوئے ہیں۔

جلال الدین۔ (سہم کر) دشمن کے کتنے آدمی مارے گئے۔

اوزبک ۔ دشمن کا بھی کافی نقصان ہوا ہے۔

علاءالدین۔ اس کے کتنے ہزار آدمی کھیت ہوئے ہیں۔

اوزبک ۔ ٹھیک گنتی تو کوئی نہیں بتا سکتا۔ لگ بھگ بیس پچیس ہزار کا اندازہ ہے۔

جلال الدین۔ ہمارے نقصان کے مقابلہ میں تو یہہ تعداد بہت کم ہے۔

(علاء الدین کی پریشانی بڑھتی ہے لیکن جلال کا عزم کچھہ اور مضبوط ہو جاتا ہے۔)

علاء الدین۔ (سوچتے ہوئے۔) اگر تین چوتھائی فوج صرف ایک معرکہ میں غارت ہوی ہے تو پھر بڑی تعداد میں نئے آدمی بھرتی کرنے ہوں گے۔

جلال الدین۔ وہ تو میں نے پہلے ہی عرض کیا تھا۔ اب اس کی ضرورت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ ہمارا اصل لشکر ابھی محفوظ ہے۔ اس سے کام لیا جاسکتا ہے۔

علاء الدین۔ وہ لشکر مختلف شہروں میں بانٹ دیا گیا ہے تاکہ جس کسی جانب سے ان پر حملہ ہو بچاؤ کا خاطر خواہ انتظام کیا جاسکے۔

جلال الدین۔ (گھبراہٹ سے) یہہ تو غضب ہوگیا۔ اس طرح تو لشکر کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے۔ اور دشمن آسانی کے ساتھ ہر ٹکڑے کو چاروں طرف سے اپنے نرغے میں گھیر کر پارہ پارہ کردے گا۔

علاء الدین۔ جس وقت تک شہروں کی سنگین شہر پناہیں اور مضبوط فصیلیں اپنی جگہ قائم ہیں ان کی قلعہ بند فوجوں کا کوئی کچھہ نہیں بگاڑ سکتا۔

جلال الدین۔ بشرطیکہ بے بس شہر والوں کے دل شہر پناہوں کی طرح مضبوط ہوں۔ اور مٹھی بھر قلعہ بند فوجیں قلعوں کی مانند اپنی جگہ اٹل رہیں۔

(نورالدین داخل ہوتے ہیں۔ کپڑے گرد سے اٹے ہوئے ہیں۔ چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی ہیں)

علاء الدین۔ کہیے مولانا۔ ہمارے قاصد کیا خبریں لائے ہیں۔

نورالدین۔ (پریشانی کے لہجہ میں) خداوندا دشمن کے لشکر تمام ملک میں سیلاب کی طرح پھیل گئے ہیں۔

علاءالدین ۔ ان کی سرکوبی کے لیے تو ہر جگہ فوجیں متعین تھیں ۔
نورالدین ۔ حضور نے جتنی فوجیں مختلف حصوں میں چھوڑیں تھیں ان سے دس گنی فوجوں کا سامنا تھا ۔
جلال الدین ۔ کس کس جگہ معرکے ہوئے ۔
نورالدین ۔ کئی مقامات پر ۔ چنگیزی لشکر کے ایک دستے نے سب سے پہلے اترار پر حملہ کیا اور گو اینل جق نہایت بہادری سے لڑتا رہا ۔ لیکن کثرت کے آگے ہمت کی کچھ نہ چلی اور وہ گرفتار ہو گیا ۔
علاءالدین ۔ ( ٹھنڈی سانس لیکر ) اینل جق ۔ میرا وفادار خادم ۔
نورالدین ۔ اپنے سوداگروں کے خون کا بدلہ لینے کے لیے چنگیز نے اس کی آنکھوں اور کانوں میں چاندی پگھلا کے ڈالی اور بڑی بڑی اذیتیں دے کر اس کی جان لی ۔
جلال الدین ۔ بدنصیب اینل جق نے اپنی سیاسی غلطیوں کی بھاری سزا بھگتی ۔
علاءالدین ۔ اس نے آقا کے لیے جان دی ۔ حق نمک ادا کیا ۔
نورالدین ۔ ( اسی پریشانی کے عالم میں ) تاتاریوں کے دوسرے دستے نے خجند کا محاصرہ کر کے وہاں کے قلعہ دار تیمور ملک کو شہر چھوڑنے پر مجبور کیا ۔
علاءالدین ۔ کیا وہ شیر دل بھی ان کے ہاتھوں سے نہ بچ سکا ۔
نورالدین ۔ جی نہیں ۔ تیمور ملک کو وہ گرفتار نہ کر سکے ۔ لیکن قلعہ کی ساری فوج اور شہر کے تمام باشندے یا مارے گئے یا قید ہوئے ۔
علاءالدین ۔ ( اپنے کان پر ہاتھ رکھ کے ) بس کیجیے مولانا ۔ کیا آپ سوائے بری خبروں کے اور کوئی خبر سنانا نہیں چاہتے ۔
نورالدین ۔ جان بخشی کا طالب ہوں ۔ حضور کو اصل واقعات سے باخبر رکھنا

میرا فرض ہے ۔ میں خبر رسانی کے محکمہ کا صدر ہوں ۔

**جلال الدین۔** آپ بے جھجک کہتے جائیے ۔ شکست کی خبروں سے میرا عزم اور پختہ ہو رہا ہے۔

**نورالدین ۔** کیوں نہ ہو ۔ مشکلات جتنی زیادہ ہوں ۔ جوشیلے نوجوانوں کے حوصلے اتنے ہی بڑھ جاتے ہیں۔

**اوزبک ۔** سلطان کے اقبال سے ہم تمام مشکلوں پر قابو پالیں گے ۔ اپنے ایک ایک سپاہی کے بدلے دشمن کے سو سو سپاہیوں کا کام تمام کر دیں گے۔

**جلال الدین۔** کہتے جائیے مولانا ۔ بہادر ناکامی سے نہیں ڈرتے ۔ مخالف ہوا سے دھیمی آنچ بجھتی ہے ۔ تیز شعلے اور بھڑکتے ہیں۔

**نورالدین ۔** حملے کرنے والے جس راہ سے گذرتے ہیں راستے کے تمام گاؤں لوٹ لیے جاتے ہیں اور تمام مکانات میں آگ لگادی جاتی ہے۔

**علاء الدین ۔** ان کسانوں کا کیا ہوتا ہے جن کے گھر جلا دیے جاتے ہیں ۔

**نورالدین ۔** آہ ۔ وہ تفصیلات مت پوچھیے ۔ ان واقعات کے بیان کرنے کی سینے میں تاب نہیں ۔ ( بھرائی ہوئی آواز میں ) بس یوں سمجھ لیجیے کہ ہر گاؤں میں ایک نئی کربلا اور ہر شہر میں ایک نیا حشر برپا ہے۔

**اوزبک ۔** بغیر آنکھوں سے دیکھے یقین نہیں آتا کہ انسان انسان کے ساتھ ایسا برتاؤ کر سکتا ہے ۔

**نورالدین۔** ہم انسان کے بارے میں کیا جانتے ہیں ۔ انسان دعوت کے دسترخوان پر اخلاق کا پتلا ہے ۔ بیوپار کی منڈی میں غرض کا بندہ اور لڑائی کے میدان میں جنگل کا درندہ ۔

**علاء الدین ۔** اوزبک ۔ فوجوں کو حکم دو ۔ کہ ہم یہاں سے مغرب کی طرف کوچ کریں گے ۔

جلال الدین ۔ (تلخ لہجہ میں) ابا جان آپ یہ کیا فرما رہے ہیں ۔ ابھی ہم نے دشمن کو اس میدان سے مار بھگایا ہے اور اب ہم خود پیچھے ہٹ جائیں ۔

علاء الدین ۔ اس جگہ زیادہ عرصے تک ٹھیرنا ممکن نہیں ۔ اول تو یہاں رسد کا انتظام دشوار ہے ۔ دوسرے اس علاقہ میں فوجی بھرتی کا کام نہیں ہوسکتا ۔ ہمارا یہاں سے بلاد مغرب کو روانہ ہونا ضروری ہے ۔

جلال الدین ۔ گستاخی معاف ۔ آپ شکست کھائے ہوئے دشمن سے فرار ہو رہے ہیں ۔ اتنے بلند بانگ دعووں کے بعد ایسی پست ہمتی تو کسی کے شان و گمان میں نہ تھی ۔

علاء الدین ۔ (غصہ سے) تیری بے ادبی بھی مجھے اپنے ارادہ سے باز نہیں رکھ سکتی ۔ اوزبک ۔ میرا حکم اسی وقت لشکر کو سنا دیا جائے ۔

اوزبک ۔ جو ارشاد ۔ (چلا جاتا ہے)

جلال الدین ۔ (غم و غصہ سے) اگر آپ کو لڑنا پسند نہیں تھا تو لڑائی کیوں چھیڑی ۔

علاء الدین ۔ بے وقوف لڑکے ۔ لڑائی میں نے چھیڑی یا چنگیز نے ۔

جلال الدین ۔ آپ اگر اس کے آدمیوں کو قتل نہ کرتے تو وہ کیوں ہمارے ملک پر حملہ کرتا ۔

علاء الدین ۔ وہ آدمی اس کے جاسوس تھے ۔ اور پھر کتنی بار کہہ چکا ہوں کہ میں انھیں عزت کے ساتھ واپس بھی کرتا تو چنگیز جنگ کے لیے کوئی اور بہانہ ڈھونڈ نکالتا ۔

نور الدین ۔ یہ صحیح ہے ۔ اس بھیڑیے کو خون کا چسکا لگ گیا ہے ۔

جلال الدین ۔ (جوش میں) تو پھر اور بھی ضروری ہے کہ ہم اسے انسانوں کو چیرنے پھاڑنے سے روکیں ۔

علاء الدین۔ (سمجھانے کی کوشش کرتے ہوئے) اسی لیے تو میں یہاں سے پیچھے ہٹ رہا ہوں تاکہ خاطر خواہ تعداد میں نیا لشکر جمع کر کے حریف کا قلع قمع کر دوں۔

جلال الدین۔ نیا لشکر جمع ہونے تک وہ سلطنت کا شیرازہ بکھیر دے گا۔ اور پھر جو لشکر پہلے سے جمع تھا اس کے تو حصے بخرے کر دیے گئے۔

علاء الدین۔ جلال۔ تم اس وقت غصہ میں آپے سے باہر ہو رہے ہو۔ میں تمہاری بہادری کی داد دیتا ہوں۔ مگر تمہارے تدبر کی تعریف نہیں کر سکتا۔

جلال الدین۔ یہ کہاں کا تدبر ہے کہ اپنی رعایا کو دشمن کے رحم وکرم پر چھوڑ کر خود خطرے کی جگہ سے دور چلے جائیں۔ تاکہ وہ پورے اطمینان کے ساتھ گھروں کو ڈھاتا گھر والوں کو لوٹتا۔ شہروں کو جلاتا اور شہریوں کو غارت کرتا پھرے۔

نورالدین ۔ جہاں پناہ شہریوں کی جان ومال کی حفاظت کا بہتر بندوبست کرنا چاہتے ہیں۔

علاء الدین ۔ آپ کس کو سمجھا رہے ہیں۔ وہ تو بے سوچے سمجھے ساری فوج کو دشمن کی تلواروں کے آگے سینہ سپر کر کے مولی گاجر کی طرح کٹوانا چاہتا ہے۔

جلال الدین۔ بڑا سے کٹ مرنا بہتر ہے۔ اس الزام کی بہ نسبت کہ ہم نے غریبوں کی وقت پر مدد نہیں کی۔ مصیبت میں بے کسوں کا ساتھ چھوڑ دیا۔

علاء الدین۔ (چڑ کر) کہہ چکا ہوں ہر شہر میں ہزاروں سپاہی قلعہ بند ہیں۔ کوئی قوت انھیں تسخیر نہیں کر سکتی۔

جلال الدین۔ سن چکے ہیں۔ کس طرح قلعہ بہ قلعہ ہاتھ سے جا رہا ہے۔

علاء الدین۔ میرے پاس اس کٹ حجتی کا جواب دینے کے لیے وقت نہیں ہے

(سلطان غصہ سے منھ پھلائے چلا جاتا ہے۔)

جلال الدین۔ (غم و یاس سے) میں اس پر آشوب دور میں پیدا نہ ہوتا تو بہتر تھا۔ یا اگر کسی منحوس گھڑی میں پیدا ہونا ہی قسمت میں لکھا تھا تو ہوش سنبھالنے سے پہلے مرجاتا۔ کم سے کم یہہ دن تو نہ دیکھتا۔

نورالدین۔ آپ اس قدر دل شکستہ نہ ہوں۔ اتنی مایوسی کی تو ابھی سے کوئی وجہہ نہیں۔

جلال الدین۔ میرے دل کا درد کوئی کیا جانے۔ (انتہائی دکھ بھری آواز میں) جس چیز کو پانے کے لیے میں نے اپنی جان سے زیادہ پیاری چیزیں گنوا دیں اس سے محروم کیا جا رہا ہوں۔ جس راہ میں میں نے اپنی نیرہ اور اپنے قطب کو بھینٹ چڑھا دیا۔ اپنے دل کی راحت اور اپنے جگر کے ٹکڑے کی قربانی دیدی اب اس راہ سے مجھے پیچھے ہٹنے کو کہا جا رہا ہے۔

نورالدین۔ آہ۔ شہزادی نیرہ اور شہزادہ قطب الدین۔ ایک بائیس سالہ سہاگن اور دوسرا چھ سال کا بچہ۔ ان دونوں کی بے وقت موت کا داغ عمر بھر کے آنسوؤں سے بھی نہیں مٹ سکتا۔

جلال الدین۔ جس وقت ہمیں گرفتار کرنے کے لیے سنگ دل ہمارا پیچھا کر رہے تھے اس وقت کاش میں بھی اپنی عزیز بیوی اور اپنے پیارے بچے کے ساتھ دریا میں ڈوب مرتا۔

نورالدین۔ آپ کو ایک بہت بڑا مقصد پورا کرنے کے لیے زندہ رہنا تھا۔ اس لیے ہم نے آپ کو خودکشی کے ارادے سے باز رکھا۔

جلال الدین۔ جس مقصد کو پورا کرنے کے لیے میں اپنی چھاتی پر پتھر رکھ کر زندہ

رہا خود میرا باپ اسے پامال کر رہا ہے۔

نورالدین ۔ شہزادے ۔ آپ سلطان پر بھروسہ کریں ۔ وہ بیس سال تک ملک گیری کرتے رہے ہیں ۔ آج اس فن میں ان سے زیادہ کسی کا تجربہ نہیں۔

جلال الدین ۔ میں جانتا ہوں ۔ عراق و شام ۔ ایران و توران میں کبھی ان کے آہنی عزم نے تہلکہ مچا دیا تھا ۔ مگر کچھ دنوں سے اس ارادہ میں تزلزل پیدا ہو رہا ہے۔

نورالدین ۔ یہ ارادہ کی کمزوری نہیں ۔ بساط جنگ کی چالیں ہیں ۔ حریف کو شہ مات دینے کے نقشے۔

جلال الدین ۔ میں خوب سمجھتا ہوں ۔ جو نقشہ بیٹھ رہا ہے ۔ اصل میں تاتاریوں کی جنگی طاقت سے وہ مرعوب ہو گئے ہیں ۔ آج کی خونریزی سے ان کے دل پر دشمن کی دھاک بیٹھ گئی ہے ۔ ورنہ لڑائی جیتنے کے بعد کوئی یوں ہمت نہیں ہارتا۔

نورالدین ۔ لڑائی بھی تو ایسی سخت تھی ۔ خیال کیجیے کتنی جانیں تلف ہوئیں۔

جلال الدین ۔ سلطان کی کمزوری سے اس سے زیادہ جانیں تلف ہوں گی ۔ یہ بھیڑیے جنگل بیابان ۔ پہاڑ دریا ۔ شہر اور گاؤں ایک ایک کر کے سارے ملک میں خون کی ندیاں بہا دیں گے ۔ ابھی تو دو چار ہی رن پڑے ہیں ۔ چند دنوں میں ایسے سینکڑوں گھمسان کے رن پڑیں گے۔

نورالدین ۔ خدا کی مہربانی اور خوارزم شاہ کے اقبال سے ہر رن میں جیت ہماری ہی رہے گی ۔ جیسے دوسروں کے خلاف اب تک ہر جنگ میں فتح کے شادیانے بجے ہیں ۔ اس غول بیابانی کے مقابلہ میں بھی آیندہ ہر میدان میں ہمارے ہی جھنڈے گڑیں گے۔

جلال الدین۔ اگر آپ کی امیدیں بر آئیں اور میرے اندیشے غلط نکلیں تو مجھ سے زیادہ کوئی خوش نہ ہوگا۔

نورالدین۔ دنیا امید پر قائم ہے۔ جب تک سانس ہے آس ہے۔ آپ اطمینان رکھیے۔ جلد سے جلد کامیابی کی کوئی نہ کوئی تدبیر نکل آئے گی۔ تقدیر کا پانسہ ہمیشہ الٹا نہیں پڑتا۔

( دونوں چلے جاتے ہیں )

# چوتھا ایکٹ

## دوسرا سین

(قراقورم میں ملکہ کلاں خاتون کے محل کا برآمدہ پیش منظر میں ملکہ کلاں خاتون اور مکریت گفتگو میں مصروف ہیں۔
پردے کے پیچھے چنگیز کے ملازم چھپے ہوئے موقع کی تاک میں ہیں۔ اسٹیج پر مدھم روشنی پھیلی ہوئی ہے۔)

**ملکہ** ۔ باوجود میری تاکید کے تم نے پھر اس محل میں قدم رکھا۔

**مکریت** ۔ یہہ قدم میرے اختیار میں نہیں ہیں۔ میں نے لاکھ کوشش کی کہ اس شہر سے کہیں دور چلا جاؤں لیکن کوئی کشش ہر بار مجھے جیسے کھینچ کے واپس لے آتی ہے۔

**ملکہ** ۔ تمہیں اندازہ نہیں کہ تمہارا یہاں آنا کیسا خطرناک کھیل ہے۔

**مکریت** ۔ میں جانتا ہوں لیکن اپنے دل سے مجبور ہوں۔

**ملکہ** ۔ اگر خاقان کے ملازمین کو اس کی خبر ہوجائے تو وہ تمہاری جان لیے بغیر نہیں رہیں گے۔

**مکریت** ۔ میری جان تو چنگیز نے پہلے ہی جسم سے جدا کرکے اپنے قبضہ میں کرلی ہے۔ اب اس کے ملازم اور کون سی جان لیں گے۔

ملکہ ۔ تمہاری دیوانگی نہیں جاتی۔ زندگی میں اتنی ٹھوکریں کھائیں۔ اتنی مرتبہ آوارہ وطن ہو کر دیس دیس کی خاک چھانی لیکن وہ جنون کم نہیں ہوا۔ وحشت کے وہ انداز نہیں بدلے۔

مکریت ۔ میں تو جنم کا دیوانہ ہوں۔ نئی بات کون سی ہے۔ دیوانہ نہ ہوتا تو اس بے کسی کے عالم میں دنیا کے سب سے بڑے شہنشاہ سے ٹکر کیسے لیتا۔ ایک نادار انسان کے لیے خاقان کی ملکہ سے محبت کرنا کیا دیوانے پن کی انتہا نہیں ہے۔

ملکہ ۔ مکریت۔ خاقان میں اور تم میں بہت بڑا فرق ہے۔

مکریت ۔ (خفگی سے) یہ تو سب جانتے ہیں۔ وہ بادشاہ ہے میں فقیر۔ اس کا اقتدار سارے زمانے پر ہے اور میں اپنے دل پر بھی اختیار نہیں رکھتا۔

ملکہ ۔ میرا یہ مطلب نہیں تھا۔

مکریت ۔ (اپنی رو میں) وہ جہاں گذرتا ہے ایک جہاں اس کے ہم رکاب چلتا ہے۔ زمین اور آسمان اس کے ساتھ گردش کرتے ہیں۔ میں جس رہ میں قدم رکھتا ہوں میرا سایہ بھی میرا ساتھ نہیں دیتا۔

ملکہ ۔ تم سمجھے نہیں۔ میں کچھ اور ہی کہنا چاہتی تھی۔

مکریت ۔ (طعن آمیز لہجہ میں) آپ کیا کہنا چاہتی ہیں ملکہ۔ آپ جو کچھ کہیں گی وہ میں پہلے ہی سے جانتا ہوں۔ آپ یہ کہیں گی کہ خاقان کے خزانوں میں سونے چاندی کے ڈھیر ہیں۔ میری جھولی میں پھوٹی کوڑی نہیں اس کے زیر نگیں دنیا کی آدھی سلطنتیں ہیں۔ میرے قبضہ میں ایک ٹوٹا جھونپڑا بھی نہیں۔

ملکہ ۔ اُف۔ تم اپنے جذبات کی رو میں بہتے جا رہے ہو۔

مکریت ۔ مجھے اپنے جذبات پر فخر ہے ۔میں زمین پر رینگنے والا کیڑا سہی مگر
میرے پہلو میں دردمند دل ہے ۔وہ آسمان کا دیوتا ہونے پر بھی درد
دل کی دولت سے محروم ہے ۔دنیا جس دیوتا کی چاہے پرستش کرے
مگر میرے مذہب میں اپنے ہم جنسوں کا درد رکھنے والے کیڑے
بیدرد دیوتاؤں سے بہتر ہیں۔

ملکہ ۔ (چڑ کر) حسد نے تم کو اندھا بنا دیا ہے ۔رقابت کے جوش میں تم
بہرے ہو گیے ہو ۔دوسرے کی بات نہیں سنتے اپنی ہی کہے جا رہے ہو۔

مکریت ۔ (ندامت سے) معاف کرنا۔میں آپے سے باہر ہو گیا تھا۔

ملکہ ۔ میں تم سے یہہ کہہ رہی تھی کہ باوجود سیکڑوں حسین عورتوں کی محبت کے
خاقان کو کسی عورت سے محبت نہیں۔

مکریت ۔ بوالہوس کو اپنے سوا کسی سے محبت نہیں ہوتی۔

ملکہ ۔ اسے اپنے سے بھی محبت نہیں ۔دنیا میں صرف ایک ہی چیز سے
اسے محبت ہے۔

مکریت ۔ مال و دولت زر و گوہر۔

ملکہ ۔ شمشیر و سنان۔ تیغ و تبر ۔وہ ننگی تلوار کے حسن کا عاشق ہے۔بہتے
ہوے خون کی شراب کا شائق ۔کیسۂ زر سے زیادہ کاسۂ سر کا
دل دادہ ۔کنیزوں اور ڈومنیوں کے گانے بجانے سے بڑھ کر
یتیموں اور بیواؤں کے رونے کراہنے سے خوش ہونے والا۔
وہ بدنفس جس کے لیے مرگ انبوہ جشن کا بہترین سامان ہے۔

مکریت ۔ کہتے ہیں جب چنگیز پیدا ہوا تو اس کے بعد پھر کبھی اس کی ماں کے
ہونٹوں پر ہنسی نہیں آئی۔ مگر میں تو اس کا چہرہ دیکھ کر ہنسے بغیر نہیں

رہ سکتا۔ سیرت میں وہ ضحاک ہے تو صورت شکل میں مضحک۔

ملکہ ۔ میں اس کی صورت کا ذکر نہیں کر رہی تھی بلکہ اس کی سیرت کے بارے میں بتا رہی تھی کہ اتنا بڑا آدمی اتنا برا آدمی کیسے بن گیا اور جو دنیا کو سنوار سکتا تھا وہ کس طرح اپنی خداداد قابلیت دنیا کو اجاڑنے میں صرف کر رہا ہے۔

مکریت ۔ یہی تو قدرت کی سب سے بڑی ستم ظریفی ہے۔ دنیا کو تباہ کرنے والے دیوزاد دنیا کے مالک بن بیٹھے ہیں۔ دنیا کو سنوارنے والے دیوتاؤں کو دنیا ٹھکرا دیتی ہے

ملکہ ۔ تاج و تخت کا اقبال ہے۔

مکریت ۔ تف ہے اس تاج و تخت پر۔

ملکہ ۔ اسی تاج و تخت کی بدولت مشرق سے مغرب تک خاقان کا سکہ چلتا ہے۔

مکریت ۔ لوگوں کی آنکھیں سونے چاندی کی چمک سے چوندھیا جاتی ہیں۔ لہو کی سرخی نظر نہیں آتی۔

ملکہ ۔ بڑا رونا تو اس کا ہے کہ اپنے ساتھ ساری قوم کو اس نے خون کا چسکا لگا دیا۔

مکریت ۔ سبھی جنگ باز ملک گیری کے نام پر ایک دوسرے کا غم کھانے والوں کو ایک دوسرے کے خون کے پیاسے بنا دیتے ہیں یہاں تک کہ بھائی بھائی کا لہو ماں کا دودھ سمجھ کر پینے لگتا ہے۔

ملکہ ۔ ہماری سلطنت کی سرحدیں خون کی ندیوں ہی سے بنی ہیں۔ میرے بھائی بندوں کا خون۔ تمہارے قبیلہ مکریت کا خون۔ پھر تا بجوت

قراقیت اور دوسرے قبیلوں کا خون۔ اور سب سے زیادہ خطا کے
کروڑوں بے گناہ باشندوں کا خون۔ اور اب نہ جانے خوارزم شاہ
کی سلطنت میں خون کے کتنے دریا بہیں گے۔ کھوپڑیوں کے کتنے
پہاڑ کھڑے کیے جائیں گے......... میرا تو اس تصور سے
کلیجہ کانپ اٹھتا ہے۔

مکریت ۔ ملکہ۔ میں بھی کسی زمانہ میں چنگیز ہی کی طرح صحرا کا ایک بے رحم
وحشی تھا۔ جنگل کا ایک خونخوار بھیڑیا۔ مگر مصیبتوں نے مجھے انسان
بنادیا۔ اب وہ پتھر سا سخت دل پگھل کر موم سے زیادہ نرم ہوگیا ہے۔

ملکہ ۔ مرد کتنا ہی نرم دل ہو عورت کی طرح زندگی کی قدر نہیں جان سکتا۔
عورت زندگی کو جنم دیتی ہے۔ وہ کبھی ٹھنڈے دل سے دنیا میں
زندگی کو ختم ہوتے نہیں دیکھ سکتی۔

مکریت ۔ زندگی کبھی ختم نہیں ہوسکتی۔ یہ سلسلہ کروڑوں سال سے چلا آرہا
ہے اور کروڑوں سال تک چلتا رہے گا۔ کوئی طاقت اسے نہیں
روک سکتی۔ چنگیز اور اس جیسے فتنہ انگیز دنیا کو تباہ کرسکتے ہیں، دنیا
کو فنا نہیں کرسکتے۔ افراد کی جان لے سکتے ہیں اقوام کو موت کا
پیام نہیں دے سکتے۔

ملکہ ۔ یہ صحیح ہے لیکن انصاف کی رو سے ایک بھی آدمی پر ظلم کرنا
تمام آدمیوں پر ظلم کرنے کے برابر ہے۔

مکریت ۔ تو پھر تمام آدمیوں کو چاہیے کہ آپس میں مل کر ایسے ظالموں
کا صفایا کردیں۔

(چنگیز کے ملازم اچانک پردوں کے پیچھے سے نکل کر مکریت

پر حملہ کر دیتے ہیں۔ اور قبل اس کے کہ وہ اپنا بچاؤ کر سکے چاروں
طرف سے خنجر چلا کر اس کا کام تمام کر دیتے ہیں۔ ملکہ اس ہیبت ناک
حادثہ کی تاب نہ لا کر ایک دلدوز چیخ مارتی ہے اور بے ہوش ہو جاتی
ہے۔ حملہ آور نیم جان ملکہ اور رکمبیت کی لاش کو اٹھا کر اندر لے
جاتے ہیں۔)

# چوتھا ایکٹ

## تیسرا سین

### مرزا احسان کے مکان کا برآمدہ

(مرزا احسان داخل ہوتے ہیں۔ ان کی عمر ساٹھ کے لگ بھگ ہوگی۔ لباس اور وضع قطع امیرانہ ہے۔ تحسین اور فرحانہ دوسری جانب سے آتے ہیں)

مرزا احسان۔ تحسین۔ آج کا دن بڑا ہی مبارک دن ہے۔
تحسین۔ ہم بھی اپنے دل میں یہی محسوس کر رہے تھے۔
مرزا احسان۔ کیا تم کو اطلاع ہے۔
تحسین۔ کس چیز کی۔
مرزا احسان۔ قافلہ جو صحیح سلامت وطن واپس آیا اس کی تم کو اطلاع ہے؟
تحسین۔ نہیں اس کی تو خبر نہیں۔
مرزا احسان (خوشی سے پھولوں نہ سماکر) اس تجارت میں چوگنا نفع ہوا ہے دمشق سے تلواریں منگا کر میں نے ایران میں بیچیں۔ ایران کے قالین تاتاریوں کے ہاتھ فروخت کیے۔ تاتار کا مشک چینیوں نے خریدا۔ چین کے برتن بخارا میں بکے۔

فرحانہ ۔ ہم سب کے لیے خوشی کا مقام ہے کہ آپ کو تجارت میں اتنا فایدہ ہوا۔

مرزا احسان ۔ بے اندازہ فایدہ۔ اسی لیے کہتے ہیں تاجر کے سر پر تاج ہے۔

تحسین ۔ (مذاق سے) پھر تو آج سے میں اپنے آپ کو شہزادہ تصور کروں گا۔

مرزا احسان ۔ میں تمہیں شہزادوں سے زیادہ دولتمند بنادوں گا۔ ذرا ملک تتار سے تجارت بڑھنے تو دو۔ آج کل تاتاریوں کے پاس آدھی دنیا کی دولت جمع ہوگئی ہے۔ زر۔ زیور۔ سونا۔ چاندی۔ ہیرے جواہر۔ ریشم واطلس۔ خیمہ وخرگاہ کسی چیز کی کمی نہیں.......
اس کے علاوہ ان کے نظم وضبط ان کی بہادری اور عقلمندی ان کی سیاست اور حکومت کے افسانے دور دور تک مشہور ہیں۔

تحسین ۔ سب من گھڑت افسانے ہیں۔ حقیقت میں وہ بہادر نہیں بے رحم ہیں۔ عقلمند نہیں چالاک ہیں۔ مہذب نہیں مفت خور ہیں۔ ان کی تجارت بردہ فروشی ہے۔ اُن کی محبت عیش پرستی ہے۔ ان کی سیاست مکاری اور ان کی حکومت ظلم و زیادتی ہے۔

مرزا احسان ۔ تمہیں ان سے خدا واسطے کا بیر ہے۔ اگر تم بھی میری طرح ان کے ساتھ کاروبار کرتے تو تم کو معلوم ہوتا کہ ان کے ملک سے تجارت کرنے سے کتنا نفع حاصل ہوتا ہے۔

تحسین ۔ ابا جان۔ انھوں نے تجارت سے زیادہ نفع بخش کاروبار شروع کردیا ہے۔

مرزا احسان ۔ تجارت سے زیادہ کون کاروبار نفع بخش ہوسکتا ہے۔

تحسین ۔ لوٹ کھسوٹ۔ دن دھاڑے اندھیر مچانا۔

مرزا احسان ۔ کیا کہہ رہے ہو۔ ان کے علاقہ میں ہمارے ملک سے زیادہ امن ہے۔

تاجر لاکھوں روپیہ کا مال بے دھڑک لاتے لیجاتے ہیں۔ راستے میں کوئی خطرہ نہیں۔ یہاں تک مشہور ہے کہ کیسی سے کیسی حسین لڑکی سر سے پاؤں تک زیور میں لدکر آدھی رات کو جنگل میں چلی جائے تو بھی اسے کوئی اندیشہ نہیں۔

**تحسین** ۔ اس جنگل میں جہاں وہ موجود نہ ہوں۔

**مرزا احسان** ۔ اور پھر ان کی فیاضی اور دریا دلی کی تعریفوں میں تو میرے قافلے والے ہونٹ منہ سکھارہے تھے۔

**تحسین** ۔ آپ کے قافلے والوں نے شاید لٹنے والوں کی سوکھی ہوی صورتیں نہیں دیکھیں۔

**مرزا احسان** ۔ کوئی کسی کو نہیں لوٹتا۔ البتہ ان کے خاقان کی عادتیں کچھ عجیب سی ہیں۔ مثلاً کوئی سوداگر اپنے مال کی قیمت مانگے تو اس کا کل سامان ضبط کرلیا جاتا ہے اور اگر مفت نذر کرے تو دگنے تگنے دام ملتے ہیں۔

**فرحانہ** ۔ یہ تو دنیا سے نرالا طریقہ ہے۔

**تحسین** ۔ تمام ڈاکوؤں کا یہی طریقہ ہے۔ وہ کبھی کھرا لین دین پسند نہیں کرتے۔

**فرحانہ** ۔ مگر چنگیز تو آدھی دنیا کے بادشاہوں کا بادشاہ ہے۔

**تحسین** ۔ وہ ساری دنیا کے ڈاکوؤں کا سردار ہے۔

**مرزا احسان** ۔ یہہ اس کے دشمنوں کا بیان ہے۔ واقعہ یہہ ہے کہ وہ بھی ہمارے سلطان کی طرح ایک خوش حال سلطنت کا شہنشاہ ہے۔

**فرحانہ** ۔ شہنشاہ اور ڈاکو میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

**تحسین** ۔ جو ایک گھر کا مال لوٹے وہ ڈاکو اور جو سارے ملک پر ڈاکہ ڈالے وہ شہنشاہ۔ بس اتنا ہی فرق ہے۔

مرزا احسان (گھبرا کر) بیٹا۔ یہہ تو الموط والوں کے خیالات ہیں۔ کیا ان سیاسی
جادوگروں نے میرے بچے کو بھی ہتیلی میں جنت دکھا کے دین و دنیا
سے پھرا دیا ہے۔

فرحانہ ۔ الموط والے کون۔

مرزا احسان۔ حسن بن صباح کا فرقہ جس کے فدائی خیالی بہشت کے لالچ میں
بھنگ پی کر بڑے بڑے حکمرانوں کی پیٹھ میں خنجر گھونپ دیتے ہیں۔
ایک زمانے میں ان مفسدوں نے ساری سلطنت میں تہلکہ مچا دیا تھا۔
مگر اب ان کا زور کچھہ ٹوٹنے لگا ہے۔

تحسین ۔ ابا جان۔ آپ نے مجھے کیا سمجھہ رکھا ہے۔ کیا میں اتنا بزدل ہوں
کہ رو در رو سینہ پر وار کرنے کے بجاے دشمن کی پیٹھ میں چوری
چھپے خنجر گھونپ دوں۔

مرزا احسان۔ پھر یہہ خطرناک خیالات کہاں سے آے۔

تحسین ۔ یہہ خیالات سیکڑوں سال سے ہمارے سچے رہنما ظاہر کرتے چلے
آے ہیں۔ یہہ اور بات ہے کہ ان کا طرز بیان مختلف تھا۔

مرزا احسان۔ ناحق رہنماؤں کو بدنام کرنے سے کیا فایدہ۔ سب بزرگوں نے
بادشاہ عادل کی اطاعت کی تعلیم دی ہے۔

تحسین ۔ عادل بادشاہ اس زمانہ میں ہیں کہاں۔ جہاں دیکھو ظالموں اور
جابروں کا طوطی بولتا ہے۔ عادل بادشاہ' وہ جو سب کے ساتھ
عدل کرے' جو انصاف کے راستے میں اپنے پراے کا فرق روا
نہ رکھے۔ ایسا شخص دن کے وقت چراغ لیکر ڈھونڈو تو نہیں ملتا۔

مرزا احسان۔ اصل میں تمہیں بادشاہوں کے نام سے نفرت ہے۔ تم نہیں چاہتے

دنیا میں کوئی بادشاہ رہے۔

تحسین ۔ ہرگز نہیں۔ میں تو بادشاہوں کو گلی گلی کوچہ کوچہ عام کر دینا چاہتا ہوں یہاں تک کہ ہر مرد بادشاہ ہر عورت ملکہ ہر لڑکا شہزادہ اور ہر لڑکی شہزادی کہلائے۔

مرزا احسان ۔ آج کل کے نوجوانوں سے کون بحث کرے۔ اور تو اور یہ ارسطو اور افلاطون کو تک خاطر میں نہیں لاتے۔

تحسین ۔ ارسطو اور افلاطون مر چکے۔ اور ہم ابھی زندہ ہیں۔

فرحانہ ۔ (مذاق سے) ٹھیک ہے۔ پرانی مثل ہے۔ مردہ دانشور سے زندہ جانور بہتر ہے۔

مرزا احسان ۔ بہو نے خوب فقرہ چست کیا۔ سن لیا ترکی بہ ترکی جواب۔

تحسین ۔ (مسکراتے ہوئے) غمزۂ ترکانہ سمجھ کر سہہ لیتا ہوں۔

فرحانہ ۔ سہنا ہی پڑے گا۔ ترکن کو بیاہ لانا مذاق نہیں۔

تحسین ۔ تمہارے ترکی نژاد ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تم کسی قوم کی ہوتیں۔ سپاہی کی دلہن ہونے کے ناتے ترکن ہی کہلاتیں۔

مرزا احسان ۔ تم دونوں لفظوں سے بہت کھیل چکے۔ اب ہمارا حکم ہے فقرہ بازی اور ضلع جگت موقوف۔

* * *

# چوتھا ایکٹ

## چوتھا سین

### شاہی لشکر میں چنگیز کا خیمہ

(رات کا وقت ہے۔ خیمے کے اندر اور باہر خاموشی چھائی ہوئی ہے۔ چنگیز اپنے ہاتھوں میں ایک بھرپور پیالہ لیے ہوئے ملکہ کلاں خاتون سے کچھ عجیب قسم کی تلخ و پرطنز گفتگو کر رہا ہے)

چنگیز ۔ نہیں نہیں ۔ میں خود اپنے ہاتھوں سے یہ جام ملکہ کے نازک ہونٹوں تک لے جاؤں گا۔

ملکہ ۔ دیدیجیے ۔ میں آپ سے منت کرتی ہوں ۔

چنگیز ۔ اتنی جلدی مت کرو ۔ ابھی تو بہتیرے راز و نیاز باقی ہیں۔

ملکہ ۔ دیدیجیے ۔

چنگیز ۔ محبت کے گلے شکوے ۔

ملکہ ۔ دیدو ۔

چنگیز ۔ (یکایک لہجہ بدل کر) تو تم اس خیال میں تھیں کہ میں ہزاروں کوس کے فاصلہ پر ہوں ۔ میرا ہاتھ اتنی دور تک نہیں پہنچ سکتا ۔

ملکہ ۔ میں اس کو کئی بار منع کر چکی تھی۔ وہ میرے حکم کے خلاف آیا تھا۔

چنگیز ۔ کیوں نہ آتا۔ تمہارا چاہنے والا جو ٹھیرا۔

ملکہ ۔ کسی زمانے میں وہ میرا شوہر تھا۔

چنگیز ۔ کسی زمانے میں ـــــ مگر اب ملکہ کا کیا فرض تھا۔

ملکہ ۔ میں نے اپنے سب فرض ادا کیے ہیں۔ اپنا سب کچھ لٹا دیا۔ مگر جو چیز میرے بس کی نہ تھی وہ کیسے دے سکتی۔

چنگیز ۔ (غصہ کو ضبط کرتے ہوئے) جو خاقان ساری دنیا پر قبضہ کر سکتا ہے وہ ایک چھوٹے سے دل کے چھوٹے سے کونے میں جگہہ نہیں پا سکتا۔ (تلخ ہنسی ہنستے ہوئے) قدرت کی بھی عجیب ستم ظریفی ہے۔ ہا ہا ہا ہا

ملکہ ۔ (پیالہ کی طرف ہاتھ بڑہاتے ہوئے) لاؤ مجھے جلد اس عذاب سے چھٹکارا پانے دو۔

چنگیز ۔ (پیالہ ہٹا کر) ابھی اس کا وقت نہیں آیا ہے۔ ابھی تو بہتیرے سوال جواب باقی ہیں۔ یہہ قصہ اتنی آسانی سے ختم نہیں ہوگا۔

ملکہ ۔ تو کیا جان لینے سے پہلے جسم کو ایذا پہنچانے کا ارادہ ہے۔

چنگیز ۔ ہرگز نہیں۔ جس جسم سے میں نے سو مرتبہ محبت کی ہے جس کی پھول سی نازکی کو ہزار بار چوما ہے جس کے نرم بازووں میں دنیا کی سختیوں سے پناہ لی ہے اسے آہنی سلاخوں سے کیسے چرکے دے سکتا ہوں فولادی چھریوں سے اس کے ٹکڑے کس طرح اڑا سکتا ہوں۔

ملکہ ۔ جسم کی محبت محبت نہیں ہوس کہلاتی ہے۔

چنگیز ۔ جو کچھہ بھی سہی اسی ہوس میں میں نے سارے جہاں کی خاک چھانی ہے۔ دنیا کے گوشے گوشے سے حسن و جمال کے بہترین نمونے اپنے محل میں جمع کیے ہیں۔

ملکہ ۔ اب تو ساری ہوس پوری ہو چکی۔ حسرت کس چیز کی ہے۔

چنگیز ۔ ساری ہوس پوری ہو چکی ۔ مگر ایک حسرت قبر میں لے جاؤں گا۔ تمہیں اپنا نہ بنا سکا ۔ (ایک دم کڑک کر) مگر تم کو کسی دوسرے کا دل خوش کرنے کے لیے اس دنیا میں زندہ نہیں رہنے دوں گا۔ یاد رہے۔

ملکہ ۔ میں کب زندہ رہنا چاہتی ہوں ۔ میرے لیے موت سزا نہیں سب سے بڑا صلہ ہے (پھر ہاتھ بڑھا کر) دیدو۔

چنگیز صبر کرو صبر (طعن سے) صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے چاہے زہر کتنا ہی کڑوا سہی۔

ملکہ ۔ زندگی سے زیادہ کڑوا نہیں ہو سکتا۔ جس بدنصیب نے اس زندگی کی تلخیاں گوارا کی ہیں اس کے لیے یہہ زہر نہیں آبِ حیات ہے ۔

چنگیز ۔ اگر مجھے یقین ہوتا کہ تم سچ کہہ رہی ہو تو میں تمہیں قیامت تک زندہ رہنے کے لیے چھوڑ دیتا تاکہ تم ہر روز ایک نئے غم کا زہر کھایا کرو۔ مگر نہیں۔ تم یہہ ڈھونگ اس لیے رچا رہی ہو کہ پھر میرے ساتھ بے وفائی کرو۔ پھر اپنے شوہر اور اپنے بچوں کی لاج اپنے چاہنے والوں کے ہاتھ لٹاتی پھرو۔

ملکہ ۔ میں یہہ طعن تشنیع نہیں سن سکتی۔ ان لفظوں میں اس پیالے سے زیادہ زہر بھرا ہے (رو نہار ہو کر) آخر میں نے کونسا ایسا گناہ کیا ہے جس کی یہہ سزا بھگت رہی ہوں ۔

چنگیز ۔ مشرق و مغرب کے شہنشاہ ۔ دنیا کے خاقان کی ملکہ ۔ چار بلند اقبال شہزادوں کی ماں اور ایک کمینے ذلیل کتے کی آغوش میں۔

ملکہ ۔ (کڑک کر) خاموش ۔ بس اب اس سے زیادہ گالیاں سننے کی سینے

میں تاب نہیں۔

**چنگیز** ۔ گالی نہیں سچائی ہے۔

**ملکہ** ۔ جھوٹ۔ بہتان۔ پنج سے پنج انسان بھی اس ذلت کو نہیں سہہ سکتا۔

**چنگیز** ۔ یہ خیال اس وقت نہیں آیا جب اس کنگال بھکاری کے ساتھ عیش کی گھڑیاں گذارنے کے لیے محلسرا کے آراستہ کمروں میں بن سنور کر بیٹھا کرتی تھیں (پیالہ ملکہ کے نزدیک لے جاتے ہوئے) اور اس پیالے میں شراب ناب بھر بھر کر خود پیتی تھیں اور اپنے عاشق کو پلاتی تھیں (ملکہ زہر کا پیالہ چنگیز کے ہاتھ سے چھین کر ایک گھونٹ میں پی جاتی ہے)

**ملکہ** ۔ اب میری تمام مصیبتوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اب تو مجھے کسی قسم کی ایذا نہیں دے سکے گا۔ تجھ جیسے ہزاروں جلاد بھی چاہیں تو میرا بال بیکا نہ کر سکیں گے ........ ہوں........ ہوں........ دنیا کا سب سے جابر شہنشاہ اب ایک کمزور عورت پر جبر نہیں کر سکے گا........ موت کی گود میں تمام دنیا کے خونخوار درندوں سے پناہ مل جائے گی۔ (ملکہ چکر کھا کے گرتی ہے۔ اور پھر دم توڑ دیتی ہے۔ ملکہ کی بے جان لاش کو تکنے کے بعد چنگیز کے چہرے پر ایک نفرت آمیز مسکراہٹ پیدا ہوتی ہے)

# چوتھا ایکٹ

## پانچواں سین

(بخارا کا ایک پر فضا چمن جہاں تحسین فرحانہ کے ساتھ سیر و تفریح میں مصروف ہے۔ یہہ دونوں مثل دوسرے تمام شہریوں کے ملک کے حالات سے بے خبر ابھی تک اطمینان کی گھڑیاں گذار رہے ہیں۔ تحسین کا لباس کم وبیش اسی وضع کا ہے۔ جو اس سے پہلے دکھایا گیا۔ البتہ اس پر خوبصورت ریشمی چوغہ اور فرگی ٹوپی کا اضافہ کیا گیا ہے۔ فرحانہ اپنے سابقہ گھریلو لباس پر ایک نہایت خوش وضع برقعہ پہنی ہوی ہے۔ جس کی نقاب سر اور چہرے سے الٹ دی گئی ہے۔)

فرحانہ۔ یہہ چمن کس قدر پر فضا ہے۔ میں آج تک اپنے خانہ باغ ہی کو دنیا کا خوبصورت گوشہ سمجھتی تھی۔ لیکن اب معلوم ہوا کہ آراستہ باغ کس کو کہتے ہیں۔

تحسین۔ اس مقام کے لیے کسی نے کہا تھا کہ اگر فردوس روئے زمین پر ہے تو وہ یہیں پر ہے۔

فرحانہ ۔ بے شک یہیں پر ہے یہیں پر ہے۔

تحسین ۔ (فرحانہ کو چھیڑنے کے لیے۔) اور اگر حور کا کسی مقام پر وجود ہے تو وہ بھی اسی مقام پر ہے۔

فرحانہ ۔ (شرماکر) پھر آپ بہکنے لگے۔

تحسین ۔ یہاں کی آب وہوا میں شراب کی تاثیر ہے۔ اسی لیے بے پیے مست ہو گیا ہوں۔ قدم لڑکھڑا رہے ہیں۔

فرحانہ ۔ ابھی سے یہہ حال ہے تو پھر شہر کی سیر ہو چکی۔

تحسین ۔ آدھی سیر تو ہو چکی۔ چوک۔ شاہی محل۔ مسجد اور قلعہ تو تم نے دیکھہ لیا۔ شام ہونے سے پہلے باقی حصہ بھی دکھلا دوں گا۔

فرحانہ ۔ چوک میں آج غیر معمولی چہل پہل تھی۔ کیا ہر روز یہی رونق رہتی ہے۔

تحسین ۔ اس سے زیادہ۔ وہاں ہر قسم کے آدمی سینکڑوں بلکہ ہزاروں کی تعداد میں خرید و فروخت کرتے اور سیر گشت لگاتے نظر آتے ہیں۔ جبہ و عمامہ پہنے ہوے بوڑھے۔ صدری اور ٹوپی ڈاٹے ہوے نوجوان۔ برقعہ اوڑھی ہوی عورتیں۔ کرتے زیب تن کیے ہوے بچے۔

فرحانہ ۔ وہ محل کس نے بنایا تھا۔ جس میں والی بخارا رہتا ہے۔

تحسین ۔ اوہ۔ وہ محل کئی سو برس پہلے کا بنا ہوا ہے۔ کسی کو خبر نہیں اس کا بنانے والا کون تھا۔ تاریخ بھی خاموش ہے۔

فرحانہ ۔ بڑی خوبصورت کمانیں تھیں۔ اور جالیوں کا نقش و نگار تو باغ و بہار سے کم نہ تھا۔ سنگ مرمر پر ایسی گل کاری مانی و بہزاد بھی دیکھتے تو عش عش کرتے۔

تحسین ۔ فن تعمیر میں ہمارے بزرگ اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے۔ دوسرے

فنون کی اجازت نہ ہونے سے سارا کمال اسی میں صرف ہوتا تھا۔

فرحانہ ۔ دوسرے فنون میں بھی باکمال پیدا ہوئے ہیں۔ بڑے بڑے شاعر بلند پایہ مصور اور اعلیٰ درجہ کے موسیقار۔

تحسین ۔ ہاں مگر یہہ بعد کی باتیں ہیں۔ اگلے زمانے میں حسن یا عمارت میں نظر آتا تھا یا عورت میں۔ صرف حور و قصور پر توجہ تھی۔ تھوڑے عرصے میں پھر ساز و سرود کا سامان مہیا کیا گیا۔

فرحانہ ۔ (معنے خیز انداز میں) ساز و سرود کے ساتھ مئے و معشوق بھی۔

تحسین ۔ اس خرابات کی طرف اشارہ کر رہی ہو جو راستہ میں دیکھا تھا پسند آیا وہ مئے خانہ۔

فرحانہ ۔ نہ مئے خانہ پسند آیا نہ وہاں کا ساقی۔ آتی بھی کیا بے حیائی۔

تحسین ۔ وہ شہر کی ناچنے والی لڑکی تھی۔

فرحانہ ۔ شہر کی ناچنے والی ہو یا گھر میں بیٹھنے والی۔ عورت پھر عورت ہے شرم و حیا اس کی فطرت میں داخل ہے۔

تحسین ۔ بھوک کے آگے فطرت بھی مجبور ہو جاتی ہے۔ اسے اپنی روزی کی خاطر یہہ پیشہ کرنا پڑتا ہے۔ کوئی یہہ نہ سمجھے کہ وہ شرم و حیا نہیں رکھتی۔

فرحانہ ۔ تو پھر وہ مرد بے حیا تھے۔ جو اپنی ہوس رانی کے لیے ایک بے بس عورت کو یوں نچا رہے تھے۔

تحسین ۔ وہ بھی اس لڑکی کی طرح بھوکے تھے۔ روٹی کے بھوکے نہیں محبت کے بھوکے۔ یوں سمجھہ لو وہ رقص و سرود کی بزم نہیں بھوکوں کی محفل میں ننگوں کا ناچ تھا۔

فرحانہ ۔ پھر ایسی جگہہ جانا کیا فرض تھا کوئی۔

تحسین ۔ گھومنے نکلے ہیں تو سب کچھ دیکھنا چاہیے ۔ شہری زندگی کا ہر گوشہ ۔ صرف مسجد دیکھتے اور میخانہ نہ دیکھتے تو خیال ہوتا یہاں کے لوگ سوائے عبادت کے کچھ نہیں کرتے ۔

فرحانہ ۔ وہ مسجد بڑی شاندار تھی ۔ بادشاہ کے محل سے بھی زیادہ شاندار ۔

تحسین ۔ کیوں نہ ہو ۔ آخر خدا کا گھر ہے ۔ اس نسبت سے اس میں ایک خداداد حسن پایا جاتا ہے ۔ قوم کے حسن تعمیر کا اوج کمال ۔

فرحانہ ۔ قلعہ کی عمارتیں بھی کچھ کم جاذب نظر نہ تھیں ۔ بنانے والوں نے پتھر کو موم بنا دیا ہے ۔ کیسے کیسے نقش بنائے ہیں کہ دیکھنے والے دنگ ہو کر حیرت سے خود دیوار کا نقش بن جائیں ۔

تحسین ۔ وہ قلعہ ہی نہیں، سلطان کا محل بھی ہے ۔ اور شہریوں کا صدر بازار بھی ۔ اسی لیے قلعہ کے اندر ایک سے ایک نظر افروز عمارت ہے ایک سے ایک دلفریب چمن ۔

فرحانہ ۔ اب شام ہو رہی ہے اپنے وعدہ کے بموجب شہر کے باقی مشہور مقامات بھی دکھا دیجیے ۔

تحسین ۔ آج کی سیر عمر بھر یاد رہے گی ۔ جو منظر سیکڑوں بار نظر سے گذرے ہیں وہ بھی یوں دکھائی دے رہے تھے جیسے کوئی پہلی بار انھیں دیکھ رہا ہو ۔

(تحسین اور فرحانہ باہر جانے نہیں پاتے کہ دوسری طرف سے مرزا احسان داخل ہوتے ہیں ۔ مرزا احسان کے چہرہ پر ہوائیاں اڑ رہی ہیں اور گفتگو کے وقت سانس پھولتا ہے )

مرزا احسان ۔ (پکارتے ہیں ) تحسین ۔ فرحانہ ۔

تحسین اور فرحانہ۔ (جاتے جاتے پلٹ کر) کون ۔ ابا جان۔

مرزا احسان ۔ (ہانپتے ہوئے) ٹھہرو ۔ میں تمہاری ہی تلاش میں نکلا ہوں۔

تحسین ۔ کیوں خیریت تو ہے ۔

مرزا احسان۔ میں ابھی ابھی والی بخارا کے محل سے آ رہا ہوں۔ امیر کے قاصد بڑی وحشت ناک خبریں لائے ہیں۔

فرحانہ ۔ (پریشان ہوکر) کیسی خبریں ۔

مرزا احسان۔ منگولوں کے ٹڈی دل بخارا تک پہونچ گئے ہیں ..........
سلطان کے لشکر کا کہیں پتہ نہیں۔...... قلعہ میں صرف چند ہزار سپاہی رہ گئے ہیں ۔

تحسین ۔ (حیرت سے) یہہ کیسے ممکن ہے ۔ ابھی ہم شہر کا چکر لگا کے آرہے ہیں کوئی غیر معمولی ہل چل دیکھنے یا سننے میں نہیں آئی ۔

فرحانہ ۔ ہمیشہ کی طرح سب لوگ اطمینان اور چین کے ساتھ اپنے اپنے دھندوں میں لگے ہوئے تھے ۔

مرزا احسان ۔ان منگولوں کے برق آسا حملوں کا کسی کو اندازہ نہیں ۔ وہ شہریوں کو خبر ہونے سے پہلے شہروں پر چڑھ آتے ہیں ۔ آج صبح تک سب اسی خیال میں تھے کہ غنیم کو ہماری سلطنت کی سرحدوں سے باہر بھگا دیا گیا ہے ۔ اور اب شام میں یہہ اطلاعیں ملی ہیں ۔

تحسین ۔ امیر کے کیا ارادے ہیں ۔

مرزا احسان ۔امیر کے ارادے کچھ ڈانواڈول معلوم ہوتے ہیں۔ کبھی وہ قلعہ بند ہوکر مقابلہ کرنے کے منصوبے سوچتا ہے ۔اور کبھی قلعہ سے باہر نکل کر دشمن پر شب خون مارنے کی تدبیروں پر غور کرتا ہے ۔جو کچھ بھی

ہوہمیں اپنی حفاظت آپ کرنی پڑے گی۔ شہر کے سب باشندوں
کو ہتھیاروں سے لیس ہونے کا حکم دیا جارہا ہے۔ ہر مکان ایک مضبوط
گڑھ اور ہر کوچہ ایک اٹوٹ مورچہ کا کام دے گا۔

(مرزا احسان تحسین اور فرحانہ جانے لگتے ہیں)

**تحسین۔** (جاتے جاتے) انسان کچھ سوچتا ہے اور قدرت کی طرف سے کچھ
ظاہر ہوتا ہے۔ ہم اپنے شہر کو امن و عیش کی جنت تصور کر رہے
تھے اور اب یہ جنگ و جدل کا دوزخ بن جائے گا۔

(تینوں چلے جاتے ہیں۔)

# پانچواں ایکٹ

## پہلا سین

(امیر بخارا کا شاندار محل۔ جس میں چنگیز خاں اور اس کے فرزند اور سرداران فوج زرنگار رنگا رنگ تخت اور چوکیوں پر بیٹھے شراب کے جام اڑا رہے ہیں۔ نوکر اور غلام کشتیوں میں مختلف قسم کے میوے لیے ہوئے درباریوں کی تواضع میں مصروف ہیں۔ محل غیر معمولی چراغوں اور قمقموں سے بقعہ نور بنا ہوا ہے۔ بیچ میں بخارا کی سب سے حسین ناچنے والیاں نہایت شوخ لباس ہیں دف اور گھنگرو کی آواز پر گیت گاتی اور نرت دکھاتی مستانہ وار ناچ رہی ہیں۔ غرض فتح کا جشن منایا جا رہا ہے۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ سوائے لیو چیتسائی کے سب نشے میں ہیں۔ اور ناچ گانے کے درمیان سر دھنتے اور داد دیتے جاتے ہیں۔ ان صحرا نشینوں کی حرکات اور پینے کھانے کے طریقے نرے گاودیوں کے سے ہیں۔ جنھیں دیکھ کر ہنسی آتی ہے۔)

**پہلی رقاصہ۔** وہ کالی لٹیں لہرائی ہوں ناگن کی طرح بل کھائی ہوئی

دوسری رقاصہ۔ مدھوبن کی مدھ مستی بن کر — مدہوش نگہ پہ چھائی ہوی
پہلی رقاصہ۔ تاروں پہ وہ گھونگٹ بادل کے — سرکے ہوے کونے آنچل کے
دوسری رقاصہ۔ بجلی کا چمکنا رہ رہ کر — یا چاند سی چھب مسکائی ہوی
پہلی رقاصہ۔ اوڑھے ہوے ریشم کی چادر — پہنے ہوے موتی کا زیور
دوسری رقاصہ۔ چلتی ہے اندھیری راہوں پر — شرمای ہوی گھبرائی ہوی
پہلی رقاصہ ۔ چہرے پہ جوانی کا جادو — سینے میں امنگیں بے قابو
دوسری رقاصہ۔ چلنے میں اداؤں کی بارش — گھنگور گھٹا اٹھلائی ہوی

چنگیز ۔ ناچ گانے کے بغیر فتح کے جشن کا سامان ادھورا رہ جاتا ہے۔

بغورچی ۔ کیا حضور کو ناچ گانا پسند آیا۔

چنگیز ۔ کیوں نہیں ۔ایسا مستی بھرا گیت کہ بے مئے پیے آدمی مست ہو جاے اور ناچ کا تو کہنا کیا۔ جیسے کانچ کے پیالوں میں شراب کی موجیں رقص کرتی ہیں۔

سوابدای بہادر۔ (جھوٹا ہاتھ چاٹتے ہوے) ناچ گانے کی طرح ناچنے گانے والیوں کا انتخاب بھی لاجواب تھا۔ بغورچی کی نظر کی داد دینا پڑتا ہے۔

بغورچی ۔ حضور کے لیے بخارا کی سب سے حسین عورتوں کو چنا گیا تھا۔

چنگیز ۔ دونوں چندے آفتاب چندے مہتاب ۔ایسا معلوم ہوتا تھا کہ چاندنی اور دھوپ ایک ساتھ نکل آئی ہے۔

سوابدای بہادر۔ یا جاڑے کے موسم میں الاؤ کے گرد چنگاریاں اڑ رہی ہیں۔

بغورچی ۔ یا برسات کی اندھیری رات میں جگنو چمک رہے ہیں۔

چنگیز ۔ (شراب کا ایک گھونٹ پی کر) چمکنے میں جگنو تو تھرکنے میں تتلیاں۔

بغورچی ۔ پھر ان تتلیوں کے بارے میں کیا حکم ہوتا ہے۔

چنگیز ۔ ہمارے لشکر کے ساتھ رہیں گی۔

بغورچی ۔ بہت خوب۔ (بغورچی دونوں رقاصاؤں اور ان کی سہیلیوں کو باہر لے جاکر خود واپس آتا ہے)

چنگیز ۔ میں اس محل میں چند گھنٹوں سے زیادہ نہیں ٹھیروں گا۔

سوابدای بہادر۔ فوج کو فرمان سنا دیا جاسے گا۔

چنگیز ۔ اگر یہہ معلوم ہوتا کہ خوارزم شاہ یہاں سے راتوں رات فرار ہوجاسے گا تو میں اس شہر کا رخ نہ کرتا۔

سوابدای بہادر۔ بے وقوف سلطان۔ وہ یہہ سمجھا تھا کہ فوج کے بیس دستے چھوڑ جائے تو پانچ دس مہینہ تک شہر فتح نہ ہوسکے گا۔

بغورچی ۔ بیس دستے ہمارے نہ رکنے والے سیلاب کے آگے بیس تنکوں کے برابر تھے۔

تولی ۔ مجھے والی بخارا کی حماقت پر ہنسی آتی ہے۔ فوج کے ساتھ قلعہ بند رہنے کے بجاسے موت کے منہہ میں جانے کے لیے باہر نکل آیا۔ ہا ہا ہا۔

بغورچی ۔ اور یہہ نہ دیکھا کہ ایک طرف سے تباہی اور دوسری جانب سے ہلاکت موت کے یہہ دونوں جبڑے، اس کو کچا کھاجائیں گے۔

جوجی ۔ وہی اندھے مسافر اور اندھیرے کنوئیں والا معاملہ ہے۔

اوگدائی ۔ اسے ہماری تعداد کا اندازہ نہ تھا ورنہ وہ یوں اندھا دھند نہ لڑ پڑتا۔

جوجی ۔ تعداد کا نہ سہی ہماری قوت کا تو اندازہ لگایا ہوتا۔ جب اس کے مالک کو ہم نے اس آسانی سے بھگا دیا تو وہ کس گنتی میں۔

چنگیز ۔ جس ملک کے امیر خائن۔ تاجر خود غرض۔ رعایا پریشان۔ اور فوج

بددل ہو اس ملک کو تباہی سے کوئی نہیں بچا سکتا۔

سوابدای بہادر۔ جب سلطان کو معلوم ہوگا کہ بیس ہزار آدمیوں میں سے ایک آدمی بھی ہمارے ہاتھ سے زندہ نہیں بچا تو وہ محسوس کرے گا کہ فوجوں کی تقسیم کیسی بھاری غلطی تھی۔

لیوچتسائی۔ فوجوں کی تقسیم سے زیادہ افسروں کا انتخاب غلط تھا۔

اوگدائی۔ سب نہیں چند افسروں کا کہو۔ تم نے شہزادہ جلال الدین کو لڑتے نہیں دیکھا۔ اور نہ اوزبک اور تیمور ملک کو۔

سوابدای بہادر۔ جلال اور اوزبک اور تیمور ملک جیسے بہادر اور باتدبیر افسر بھی اس کے پاس تھے اور اس کی کمان میں ہزاروں سرفروش سپاہی۔ مگر وہ چال بازی بھی ہم سے بازی نہ لے جا سکے۔

بغورچی۔ ہماری چال بازیاں بھی تو ایسی ہی تھیں۔ کس کو سوجھتی کہ ساری فوج کو درختوں کے ڈالوں کی آڑ میں بڑھائے۔ بس یہ معلوم ہوتا تھا کہ جادو کے زور سے جنگل چلا آرہا ہے۔ بھولے بھالے شہریوں کے تو اوسان خطا ہو گئے۔

چنگیز۔ سوابدای بہادر۔ مغرب کے ملکوں میں علاء الدین کا پیچھا کرو اور وہ جس ملک میں اور جس حالت میں ملے زندہ یا مردہ اسے گرفتار کرکے ہمارے سامنے لے آؤ۔

سوابدای بہادر۔ جو حکم۔ (الٹے قدم پیچھے ہٹتا ہوا چلا جاتا ہے)

چنگیز۔ جوجی۔ تم جنوب کی طرف بڑھو اور راستے میں جو شہر مقابلہ کریں انھیں ملیامیٹ کرتے ہوئے اس حصۂ ملک پر قبضہ کرلو۔

جوجی۔ جیسا ارشاد۔ (الٹے قدم پیچھے ہٹتا ہوا چلا جاتا ہے)

چنگیز ۔ جبی نویان کہاں ہے۔

بغورچی ۔ وہ لوٹ کا مال بانٹ رہا ہے۔

چنگیز ۔ بہت مستعد آدمی ہے۔ ملک خطا میں بھی جب تمام سرزمین میں تہلکہ مچا ہوا تھا وہ نہایت اطمینان سے شاہی جواہرات کے صندوقوں پر مہر توڑا کیا کرتا تھا۔ (مذاق سے) بچپن سے اس کے یہی لچھن رہے ہیں۔ پرائے مال پر دیدے لال۔

تولی ۔ آیندہ سے صرف روپیہ پیسہ اور اجناس کی تقسیم آپ جبی نویان کے سپرد کیجیے۔ لونڈیوں اور غلاموں کو شہزادوں کی اجازت کے بغیر کسی کے حوالے نہ کیا جائے۔

چنگیز ۔ (خوش طبعی کے انداز میں) تم چاہتے ہو کہ سب سے حسین لڑکیوں کو پہلے اپنے لیے چن لو۔ جیسے بوڑھے باپ کا کوئی حق نہیں۔ آخر کس کا خون ہے۔

تولی ۔ آپ کا حق تو سب عورتوں پر ہے۔ میں اس کو نہیں کہہ رہا تھا۔

چنگیز ۔ غلاموں کے بارے میں تمہیں اختیار رہے گا۔ لیکن لونڈیاں بغیر میرے حکم کے کسی کے حوالے نہیں کی جاسکتیں۔

اوگدائی ۔ ابا جان۔ آیندہ سے حکم دید یجیے کہ کوئی بوڑھوں اور بچوں کی جان نہ لے۔

چنگیز ۔ میں ایسا حکم نہیں دوں گا۔ صرف وہ مرد زندہ چھوڑے جاسکتے ہیں جن سے میدان جنگ میں کام لینا ہو۔ یا وہ عورتیں جو حرم میں ہماری خدمت کرسکیں۔

لیوچیتسائی ۔ لیکن جہاں پناہ۔ جیسا میں پہلے عرض کرچکا ہوں۔ کاریگروں اور کسانوں کا قتل عام کر دیا جائے تو آپ کے لیے دولت کون پیدا کرے گا۔

چنگیز۔ کاری گروں کی جان بخشی کی جائے۔ مگر کسانوں کو زندہ رکھنے سے کیا فایدہ۔ وہ کس کام کے۔ مفت کی روٹیاں توڑتے ہیں۔

ادگدائی۔ وہ کھیت جوتیں گے۔

چنگیز۔ ہم خانہ بدوشوں کو مویشی کے لیے چراگاہوں کی ضرورت ہے نہ کہ کھیتوں کی۔ ہمارے لیے ایک سپاٹ میدان دس شہروں اور دیہات سے زیادہ اہم ہے ..............

(دریچے سے سرخ روشنی نظر آتی ہے۔ جو رفتہ رفتہ چاروں طرف پھیل جاتی ہے۔)

یہہ روشنی کیسی۔ کیا ہماری فتح کی خوشی میں جشن چراغاں منایا جارہا ہے۔

تولی۔ (دریچے کے پاس جاکر) چراغاں نہیں شہر میں آگ لگادی گئی ہے۔ بخارا جل رہا ہے۔

بغورچی۔ (دریچے کے پاس جاکر) چلو ایک مسئلہ تو حل ہوگیا۔ اب کے جاڑوں میں آگ تاپنے کے لیے کوئلے کی کمی نہ ہوگی۔

(چنگیز اور سب درباری اپنی اپنی جگہہ سے اٹھ کر دریچے کے پاس جاکے دیکھتے ہیں۔)

چنگیز۔ خوش ہوکر۔ کیا ہی خوش نما منظر ہے۔ تولی۔ ذرا دیکھہ اس سرخی کو جیسے زمین پر شفق پھولی ہے۔

تولی۔ اباجان دیکھ رہا ہوں۔

چنگیز۔ آیندہ سے یاد رکھو شعلوں کی بہار دیکھنا ہو تو شہروں کو رات کے وقت آگ لگایا کرو۔ دن میں یہہ جگمگاہٹ نہیں ہوتی۔

تولی۔ رات کے اندھیرے میں جلتا ہوا شہر ایسا دکھائی دیتا ہے جیسے سیاہ مٹی کی زمین پر کسی نے سرخ روشنی کا باغ لگا دیا ہے۔

لیوچیتسائی۔ عالم پناہ۔ کم سے کم کتب خانوں کو خاکستر ہونے سے بچانے کا حکم صادر فرمایا جائے۔ ورنہ صدیوں تک علم کی ترقی رک جائے گی۔

چنگیز۔ پھر تو عمل کے میدان کے لیے راستہ اور بھی صاف ہو جائے گا۔

لیوچیتسائی۔ سیکڑوں سال کی ذہنی کاوشوں کے ثمر خاک میں مل جائیں گے۔

چنگیز۔ اتنی مدت میں وہ ثمر سڑ گل چکے ہوں گے۔ ان کا خاک میں ملنا ہی بہتر ہے۔

لیوچیتسائی۔ آپ کچھ کہیں۔ مجھے اس نظارے سے وحشت ہو رہی ہے۔ جیسے پرسکون فضا میں یکایک کوئی جوالا مکھی پھٹ پڑا ہے۔

چنگیز۔ (پروا نہ کر کے) اس بڑی عمارت کو دیکھتا۔ وہ جس میں گنبد و مینار ہیں

لیوچیتسائی۔ کیا وہ بادشاہ کا محل ہے۔

لیوچیتسائی۔ جی نہیں خداوند۔ خدا کا گھر ہے۔

چنگیز۔ خدا کا گھر کیا معنی۔ کیا خدا بھی کوئی انسان ہے جسے رہنے کے لیے گھر کی ضرورت پڑتی ہے۔

لیوچیتسائی۔ یہ بات نہیں۔

چنگیز۔ (چیخ کر) پھر کیا بات ہے۔

لیوچیتسائی۔ انسان کو خدا کی عبادت کے لیے گھر کی ضرورت ہے۔ اسی نسبت سے اسے خدا کا گھر کہتے ہیں۔ ہر ملک میں اپنے اپنے عقیدے کے مطابق خدا کو پوجنے کے لیے گھر بنائے جاتے ہیں۔

چنگیز۔ ہر گھر جل رہا ہے۔ اس عمارت کو آگ کیوں نہیں لگی۔

اوگدائی۔ اس لیے کہ وہ خدا کا گھر ہے۔

لیوچتسائی۔ اس لیے کہ وہ پتھر کی عمارت ہے۔ دوسرے سب لکڑی کے مکان ہیں۔
چنگیز۔ ٹھیک کہتے ہو۔ خدا کو بچانا منظور ہوتا تو پہلے اپنے بندوں کو بچاتا۔
اوگدائی۔ جو کچھ بھی سہی میں اس خون ریزی سے خوش نہیں ہوں۔
چنگیز۔ تمہارا دل ہمیشہ سے کمزور رہا ہے۔
اوگدائی۔ غریبوں کی آہوں کراہوں کو سن کر آدمی کیا پتھر کا کلیجہ بھی پانی ہو جائے اور پھر یہ ہولناک تباہی اور یہ ہیبت ناک بربادی کس سے دیکھی جا سکتی ہے۔
چنگیز۔ کوئی شخص دنیا کو برباد کیے بغیر دنیا کو فتح نہیں کر سکتا۔ یہہ جنگ کا اہم اصول ہے۔ مفتوح تو اپنی بربادی پر روئے گا۔ لیکن ایک فاتح کو اس برباد کرنے میں جو ناقابل بیان سرور ملتا ہے اس کی آدھی لذت آباد کرنے میں نہیں ملتی۔
لیوچتسائی۔ جہاں پناہ۔ گستاخی معاف۔ دنیا کو برباد کرنا آسان ہے۔ دنیا کو آباد کرنا مشکل ہے۔
چنگیز۔ اوہ۔ یہہ دنیا کئی مرتبہ برباد ہو چکی ہے اور پھر کئی مرتبہ آباد ہوئی ہے۔ دنیا کی کوئی اہمیت نہیں۔ دنیا کے حکمرانوں کی اہمیت ہے تم دیکھو گے یہاں ہماری حکومت قائم ہونے کے بعد سارے شہر جو ہم تباہ کر رہے ہیں کتنی جلدی دوبارہ تعمیر ہو جائیں گے۔
لیوچتسائی۔ ویران شہر دوبارہ تعمیر ہو سکتے ہیں۔ دلوں کی اجڑی ہوئی بستیاں پھر سے نہیں بسائی جا سکتیں۔
(دو سپاہی مرزا احسان تحسین۔ اور فرحانہ کو ہتکڑیاں۔ بیڑیاں پہنا کر دربار میں حاضر کرتے ہیں۔)

پہلا سپاہی۔ عالیجاہ نے جن قیدیوں کو اپنے لیے پسند فرمایا تھا وہ حاضر ہیں۔
چنگیز۔ آہا۔ یہہ مہربان بزرگ۔ یہہ دلیر نوجوان اور یہہ مہ جبین حسینہ....
لیو چیتسائی۔ آج صبح ہماری ان سے ملاقات ہوی۔ جب یہ تینوں چوک کی سیر کر رہے تھے۔
مرزا احسان۔ یہہ کہاں کی بہادری ہے کہ بے بس قیدیوں کی ہنسی اڑائی جاے۔
چنگیز۔ بڑے میاں۔ میں تمہاری ہنسی نہیں اڑا رہا ہوں۔ واقعہ یہہ ہے کہ میں تم کو پسند کرتا ہوں۔ دوسرے دولت مند طرح طرح کی ایذائیں سہنے کے بعد بھی اپنی دولت کی نشان دہی سے گریز کر رہے تھے مگر تم نے بے پوچھے خود ہی اپنی تمام پونجی میرے سپاہیوں کے نذر کر دی۔
مرزا احسان۔ (غم کو ضبط کرتے ہوے) میں دولت رکھ کے کیا کرتا جب وہ لوگ ہی نہ رہے جن میں سرخ روئی حاصل کرنے کے لیے یہہ دولت جمع کی گئی تھی۔ وہ شہر ہی غارت ہوگیا جس کے سامان عیش خریدنے کے لیے یہہ روپیہ کمایا گیا تھا۔
چنگیز۔ تم دوسرے شہروں میں اپنا سرمایہ لگا سکتے تھے۔
مرزا احسان۔ اب کہاں اپنا سرمایہ لگانے جاوں۔ جب کہ ساری قوم کا تہذیبی سرمایہ لٹ چکا اور ایک کنگال بھکاری کے انسانوں کی طرح ہر طرف پامال دھرتی کے انسانوں کا خون ہو رہا ہے۔
چنگیز۔ تم سوداگر ہو نا۔
مرزا احسان۔ سوداگر تھا کل تک مگر آج تو گداگر ہوں۔
چنگیز۔ ہماری اجازت سے تم پھر اپنا کاروبار کر سکتے ہو۔

مرزا احسان ۔ (ایک ٹھنڈی سانس لیکر) اس وقت کہاں کاروبار چلے گا جب زندگی ہی کا کاروبار ٹھنڈا پڑ گیا ہے ۔ اور تمام شہر میں صرف موت کا بازار گرم ہے ۔

چنگیز ۔ اوہ ۔ تم کو بخارا کی تباہی کا غم ہے ۔ مگر اس میں میرا کیا قصور ۔ اگر تمہارا سلطان میرے آدمیوں کو قتل نہ کرتا تو میں کیوں اس ملک پر چڑھائی کرتا ۔

مرزا احسان ۔ (غم و غصہ سے) اگر علاء الدین گناہ گار تھا تو آپ اسے سولی پر لٹکاتے ۔ اس کی فوج کو موت کے گھاٹ اتارتے ۔ نہتے شہریوں نے کیا قصور کیا تھا ۔

چنگیز ۔ انہی نہتے شہریوں سے فوج بنتی ہے ۔ جب تک یہہ زندہ ہیں دشمن ہر وقت نئی فوج تیار کر سکتا ہے ۔ یہی تمہارے نہتے شہری تو لڑائی کی بھٹی کا ایندھن ہیں ۔ اس لیے میں نے حکم دے رکھا ہے کہ دشمن کی تمام آبادی تہ تیغ کر دی جائے ۔

مرزا احسان ۔ (طیش میں) اب آبادی کہاں ہے جو تہ تیغ کی جائے گی ۔ مُردوں کے تک سر کاٹ لیے گئے ہیں ۔

چنگیز ۔ میں نے ہی حکم دیا تھا تاکہ کوئی غلطی سے زندہ نہ بچ جائے ۔

مرزا احسان ۔ (غصہ سے کانپتے ہوئے) یہہ جانے بغیر کہ اس بربریت سے دشمن ہی نہیں نسل آدم کا خاتمہ ہو جائے گا ۔ لعنت ہے اس سیاست اور اس سلطنت پر ۔ اس شیطنت پر جس کو دیکھ کر شیطان کا آتشی جسم بھی شرم سے پانی پانی ہو جائے ۔

چنگیز (چلا کر) اس بیوقوف بڑھے کا دماغ سٹھیا گیا ہے ۔ جب یہہ

ہیں قائل نہ کر سکا تو گالیاں بکنے لگا۔ لے جاؤ اس کو ہمارے
سامنے سے۔ اور اب کے زبان درازی کرے تو سزا میں اس کی
زبان کاٹ دو۔

**مرزا احسان۔** سچ بولنے والوں کی زبان کاٹ سکتے ہو۔ سچائی کا گلا نہیں گھوٹ
سکتے۔

(ایک سپاہی مرزا احسان کو دھکیل کر باہر لیجاتا ہے)

**تحسین۔** انسانیت کے قاتلوں کو اس جرم کی سزا مل کے رہے گی۔ ان سب
کا وہی حشر ہوگا جو کسی زمانے میں نمرود و شداد کا حشر ہوا۔

**چنگیز۔** تو بھی........ میرا خیال تھا کہ تجھے اپنا مصاحب خاص
بناؤں۔

**تحسین۔** چاندی کے چند سکوں کے لیے میں اپنا ایمان نہیں بیچ سکتا۔

**چنگیز۔** چند دن شاہی دولت خانوں کی ہوا لگتی تو اپنی بے ہودہ بکواس
بھول جاتا۔

**تحسین۔** مجھے ظالموں کے دولت خانوں سے ان کے قید خانے زیادہ پسند ہیں۔

**چنگیز۔** فکر مت کر۔ تجھے اپنی پسند کی جگہ رکھا جائے گا۔ میں صرف اس
حسینہ کی خاطر تجھے اپنے پاس رکھنا چاہتا تھا۔

**فرحانہ۔** حرم سرا میں قدم رکھنے سے پہلے میں اس انسانی اصطبل کے در و
دیوار کو آگ لگا دوں گی۔

**چنگیز۔** (سمجھاتے ہوئے) بیوقوف لڑکی۔ میں تو تجھے اپنی ملکہ بنا کر تیرے
سر پر تاج رکھنا چاہتا ہوں۔

**فرحانہ۔** میں ایسے تاج کو ٹھوکر مارتی ہوں۔

چنگیز۔ اس شہر کے رہنے والے دنیا سے نرالے ہیں۔ قراقورم میں اگر کسی حسینہ پر بادشاہ کا دل آ سے تو خوشی سے پھولوں نہ سماے گی اور اس کے رشتہ دار بھی اپنی خوش قسمتی پر فخر کریں گے۔

فرحانہ۔ معلوم نہیں قراقورم میں کیسے قوم بستے ہیں۔ دوسری جگہ تو ذلیل سے ذلیل آدمی بھی یہہ ذلت گوارا نہ کرے گا۔

چنگیز۔ اتنے نرم ہونٹوں پر یہہ گرم گفتار۔ کون سمجھا تھا جنت کی حوروں کے منہہ سے ایسی کڑوی باتیں نکل سکتی ہیں۔

فرحانہ۔ کیوں نہیں۔ جب دوزخ کے فتوریوں کی زبان پر اتنے میٹھے بول آ سکتے ہیں۔

چنگیز۔ (کچھہ سوچکر) اگر یہہ لڑکی اس قدر حسین نہ ہوتی تو میں اس کے قتل کا حکم دیتا۔

فرحانہ۔ (والہانہ جوش سے) دیدے قتل کا حکم۔ جہاں اتنے بے گناہوں کے خون سے ہاتھ رنگا ہے وہاں مجھے بھی شہادت کا جام پینے دے۔

چنگیز۔ ایسے قیمتی جواہرات مٹی میں نہیں ملا ے جاتے۔ (سپاہی سے) راضی سے نہ مانے تو زبردستی اس کو محل سرا میں داخل کیا جاے۔

سپاہی۔ خاقان کا جو حکم۔

تحسین۔ (غصہ سے کانپتے ہوے) خاقان شیطان۔ اگر تو اپنے کیفر کردار کو نہ پہونچے تو میں سمجھوں گا دنیا سے ہمیشہ کے لیے انصاف اٹھ گیا۔

(سپاہی دونوں کو دھکے دیتا ہوا باہر لے جاتا ہے)

چنگیز جب سے کلاں خاتون کو حاسدوں کے کہنے پر قراقورم میں زہر

دے دیا گیا جسے اس کے جانشین کی تلاش تھی۔ آج سے بخارا کی یہ حسینہ شاہی دربار میں اور حرم سرا کے اندر مرحوم ملکہ کی جگہ راج کرے گی۔ ابھی تو لڑکی پر غصے کا بھوت سوار ہے لیکن چند ہی دنوں میں حکومت کا جادو سر چڑھ کے بولنے لگے گا۔

٭ ٭ ٭

# پانچواں ایکٹ

## دوسرا سین

(شہر بخارا کے قریب چنگیزی لشکر کی چھاونی کا ایک حصہ فرنگی راہب تھرو بریک اور اس کے ساتھ وہی دو سپاہی جو پہلے نظر آئے تھے داخل ہوتے ہیں۔ دونوں سپاہی لوٹ مار کے مال سے لدے پھندے ہیں۔ اور جسم پر لباس بھی بے حد بھڑکیلا ہے)

تھرو بریک۔ تم لوگ تو آج امیروں کا سا لباس پہنے ہوئے ہو۔ میں پہلی نظر میں پہچان نہ سکا۔

پہلا سپاہی۔ امیروں کا لباس نہیں تو کیا تیری طرح فقیروں کے کپڑے پہنیں گے۔ معلوم نہیں کل ہی مال غنیمت تقسیم ہوا ہے۔

تھرو بریک۔ کتنی دولت ہاتھ لگی ہے۔

دوسرا سپاہی۔ بے حد و حساب۔ ایسے جواہرات اور ایسے قیمتی ریشم و اطلس تو چین میں بھی نہیں دیکھے تھے۔

پہلا سپاہی۔ اور پھر انبار خانوں میں اتنا غلہ چارا اور اس قدر میوہ بھرا تھا کہ ہم تو ہم ہمارے جانوروں تک کے پیٹ پھول گئے۔

تھرو بریک۔ میوے کا نام سن کے میرے منھ میں پانی آرہا ہے۔

دوسرا سپاہی۔ ایسا رس دار میوہ۔ یہہ جان پڑتا تھا کہ کسی نے رنگین پیالوں میں میٹھی شراب بھر دی ہے۔

پہلا سپاہی۔ ایک ایک انار پانچ پانچ سیر کا اور تربوز اتنا وزنی کہ بار برداری کے ایک خچر سے نہ اٹھ سکے۔

تھرو بریک (دونوں کی طرف اشارہ کرکے) وہ خچر اسے آسانی سے اٹھا سکے ہوں گے۔

پہلا سپاہی۔ بڑی مشکل سے۔ (تھرو بریک کی طرف دیکھ کر) قدم قدم پر تیسرے خچر کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ (تھرو بریک کھسیانی ہنسی ہنستا ہے)

دوسرا سپاہی۔ خاص کر شراب کے بورے لادنے کے بیسے میں کیا بیان کروں ان میووں سے جو شراب کھنچی تھی وہ ایسی تیز تھی کہ جیسی تلوار کی دھار۔

تھرو بریک۔ شراب میں نے تو سنا تھا بخارا کے لوگ شراب کو چھوتے تک نہیں۔ چوبیس گھنٹے ہاتھ میں کتاب رہتی ہے۔

پہلا سپاہی۔ ایک ہاتھ میں۔ دوسرے میں چھلکتا ہوا جام طہور ہیں۔

دوسرا سپاہی۔ اور پہلو میں گل اندام نازنین جس کی رسیلی آنکھوں سے وہ شراب ٹپکتی ہے جو دنیا کو بدمست کر دے۔

تھرو بریک۔ تمہیں آٹھ پہر بدمستیوں کی ہی سوجھتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے چپکے چپکے فرشتوں کا استاد تمہیں پٹی پڑھاتا ہے۔

پہلا۔ فرشتوں کا استاد کون مردود ہے۔

تھرو بریک۔ شیطان۔ اور کون۔

دوسرا سپاہی۔ وہ ہمیں کیا پٹی پڑھائے گا۔ ہم اسے سات پیڑیوں تک سبق سکھا

سکتے ہیں۔

تھرو بریک۔ اس میں کیا شک ہے ایک تو جوش جوانی کا سرور دوسرے شراب ارغوانی کا نشہ شیطان کے سر پر شیطان سوار ہے۔ اور اب ان دونوں پہ ہوس رانی کا نشہ چڑھ رہا ہے۔

پہلا سپاہی۔ اس کا نشہ تو کیا جانے۔ راہب جو ٹھیرا۔

دوسرا سپاہی۔ مگر آج تو وہ شکلیں دیکھی ہیں کہ تو بھی ہوتا تو جان دیدیتا۔

پہلا سپاہی۔ ہر جسم ننگی شمشیر سے زیادہ چمکدار۔ زخمی بدن سے بڑھ کے گلنار۔

تھرو بریک۔ توبہ کرو انسان ہو کر ایسی بھی کیا حیوانیت۔

پہلا سپاہی۔ ذرا اس بے وقوف کو دیکھو۔ بھوکے شیروں کے آگے شکار کی برائی کرتا ہے۔

تھرو بریک بھوکے شیر بھی شیروں کو نہیں کھاتے۔ جنگلی بھیڑیے بھیڑیوں کو نہیں پھاڑتے۔ انسان ہو کر انسان کا شکار کتنی شرم کی بات ہے۔

دوسرا سپاہی۔ عقل کے دشمن۔ لڑائی اسی کو کہتے ہیں۔ جنگ میں انسانوں ہی کا شکار کھیلا جاتا ہے۔

پہلا سپاہی۔ مقدس یاسا میں لکھا ہے کہ جو سپاہی جتنا مال لوٹے وہ اس کی ملک ہے۔ جتنے مردوں کو گرفتار کرے وہ اس کے غلام ہیں۔ اور جتنی عورتیں اس کے ہاتھ لگیں وہ سب اس کی لونڈیاں ہیں۔

تھرو بریک۔ یاسا سے زیادہ مقدس کتابوں میں لکھا ہے کہ یہ طریقے وحشیانہ ہیں۔

دوسرا سپاہی۔ (برہم ہو کر) یاسا سے بڑھکر کوئی کتاب مقدس نہیں ہو سکتی۔

پہلا سپاہی۔ (فاتحانہ انداز میں) یاسا کے سوا جتنی کتابیں تھیں وہ سب ہم کل ہی بیچ چوک میں پھاڑ کے پھینک چکے ہیں۔ اور ان کے ورقوں

کو گھوڑوں کے سموں سے روندا ہے۔ اور وہ ساری عمارتیں جلا دی ہیں جہاں یہہ کتابیں رکھی جاتی تھیں۔ . . . . . . . بیکار کتابیں پڑھنے سے آدمی کا دماغ خراب ہو جاتا ہے۔

تھرو بریک ۔ پڑھنا لکھنا چھوڑ دیں تو ہم غریبوں کا پیٹ کیسے پلے ۔

دوسرا سپاہی ۔ ہماری قوم میں کوئی الف کے نام بے نہیں جانتا۔ پھر بھی ہم آدھی دنیا میں دندناتے پھرتے ہیں۔

تھرو بریک ۔ آدھی دنیا کیا ساری دنیا میں پھرو۔ چاہو تو آسمان کی سیر کرو۔ مگر یہ خون خرابے اور یہہ لڑائی جھگڑے موقوف کرو۔

پہلا سپاہی ۔ لڑائی کسی کے روکنے سے نہیں رکتی ۔ اس کا ایک گر ہے ۔

تھرو بریک (طنزاً) کیا گر ہے ۔ ہمیں بھی بتانا۔

دوسرا سپاہی ۔ (بڑی عقلمندی کے احساس کے ساتھ) میں بتاتا ہوں ۔ دیکھو ۔ جب دو ہڈیاں ایک کتے کے سامنے ڈالوگے تو کوئی جھگڑا نہ ہوگا ۔ مگر جب ایک ہڈی دو کتوں کے بیچ میں پھینکو گے تو وہ عمر بھر لڑتے رہیں گے۔

تھرو بریک ۔ واہ وا ۔ بڑا اچھا گر ہے ۔ اب یہہ بتاؤ کہ محنت کر کے کمانے کے بجائے لوٹ مار کرنے کا کیا سبب ہے۔

دوسرا سپاہی ۔ محنت کی کمائی میں کیا دھرا ہے ۔ دس روپیے لوٹنے میں جو مزا ہے وہ سو روپیہ کمانے میں نہیں ۔

پہلا سپاہی ۔ اور پھر سپاہی لوٹ مار نہ کرے تو کیا بیٹھ کے مکھیاں مارے ۔

تھرو بریک ۔ مکھیاں کیوں بقول تمہارے کیا مارنے کے لیے انسانوں کی کمی ہے ۔

دوسرا سپاہی ۔ جب تک انسانوں کو نہ مارو امن کیسے قائم رہ سکتا ہے ۔

تھرو بریک۔ پھر تو قبرستان سب سے زیادہ امن کی جگہہ ہے۔

پہلا سپاہی۔ (ڈھول جماکر) یہہ سمجھہ کی بات ہے۔

تھرو بریک۔ واہ قدر دانی کا کیا اچھا طریقہ ہے۔

دوسرا سپاہی۔ آج میری طبیعت اس قدر بحال ہے جی چاہتا ہے بس یونہی چپت لگاتا رہوں۔

تھرو بریک۔ دیکھو بھائی عقلمند آدمی اس قسم کی غیر معمولی خوشی کو دل میں رکھتا ہے ظاہر ہونے نہیں دیتا۔

پہلا سپاہی۔ اور میں اتنا خوش ہوں۔ جی چاہتا ہے بس لاتیں رسید کرتا جاؤں۔

تھرو بریک۔ کوئی چیز بھی حد سے بڑھے تو نقصان کرتی ہے۔ تم اپنے جذبات کو قابو میں رکھا کرو۔

دوسرا سپاہی۔ سچ کہتا ہے۔ تو جو کہتا ہے سچ کہتا ہے۔ اس دنیا میں تو ہی میرا سچا دوست ہے۔ (گلے ملتا ہے)

پہلا سپاہی۔ (دوسرے سپاہی سے) اور میں تمہارا دوست نہیں ہوں۔ واہ وا اتنے برس کا یارانہ دو دن میں ہوا ہوگیا۔

دوسرا سپاہی۔ تو میرا دوست نہیں۔ فقط شراب وکباب کا ساتھی ہے۔

پہلا سپاہی۔ (غصہ سے آگے بڑھ کر) کیا کہا۔ دوست نہیں۔ پھر سے کہنا۔ ہڈی پسلی گولا کر دوں گا۔

دوسرا سپاہی۔ (دھکا دیکر) جاجا۔ بڑا آیا ہے تیس مار خاں۔ (دونوں سپاہی کشتی لڑنے لگتے ہیں)

تھرو بریک۔ (سمجھاتے ہوئے) نہیں بھائی وہ بھی دوست ہے۔ میں بھی دوست ہوں۔ تم بھی دوست ہو۔ (دونوں کا غصہ یکایک اتر جاتا ہے)

دوسرا سپاہی۔ تو سچ کہتا ہے تو جو کہتا ہے سچ کہتا ہے۔ آؤ گلے ملو۔ (پہلے سپاہی سے گلے مل لیتا ہے) تم میرے یار خاطر ہو۔ یار خاطر نہیں۔

پہلا سپاہی۔ اس تقریب میں آج تم دونوں کی دعوت ہے۔ چلو خیمے میں چلیں۔

تھرو بریک۔ نا بابا۔ میں ایسی دعوتوں سے باز آیا۔ اُس دن کا تجربہ یاد ہے۔

دوسرا سپاہی۔ اطمینان رکھو۔ پینے کے لیے ہم جبر نہیں کریں گے۔

تھرو بریک۔ کھلاؤ گے کیا۔

پہلا سپاہی۔ بہترین میوے اور ہرن کا بھنا ہوا گوشت۔

دوسرا سپاہی۔ پیٹ بھرنے کے بعد روحانی غذا کا بھی سامان رہے گا۔

تھرو بریک۔ (طنزاً) فضول تکلفات سے کیا فائدہ۔ جسمانی خوراک کافی ہے۔

دوسرا سپاہی۔ کیوں ناچ رنگ سے دلچسپی نہیں۔

تھرو بریک۔ موت کا ناچ اور لہو کا رنگ دیکھ چکا ہوں۔ اب اور کیا ناچ رنگ دیکھوں۔

پہلا سپاہی۔ بخارا کی حسین سے حسین ناچنے والیاں جمع ہیں۔ تو بھی کیا یاد کرے گا۔

دوسرا سپاہی۔ بڑے بڑے امیر زادے لشکر میں خدمت کے لیے حاضر ہوں گے اور وہ شریف زادیاں جنھوں نے عمر بھر گھر سے باہر قدم نہیں رکھا خیموں میں ہمارا دل بہلانے کے لیے موجود ہوں گی۔

تھرو بریک۔ (ہاتھ جوڑ کر) پھر تو مجھے معاف کرو۔

پہلا سپاہی۔ کیوں۔

تھرو بریک۔ ایک ضروری کام ہے۔

دوسرا سپاہی۔ کیسا کام۔

تھرو بریک۔ میں ذرا جا کے خدا کو ڈھونڈتا ہوں کہ ان دنوں وہ کہاں چھپا بیٹھا ہے۔

پہلا سپاہی ۔ عجیب پاگل آدمی ہے ۔
تھرو بریک ۔ میں کیا ساری دنیا پاگل ہے ۔ تم سب پاگل ہو ۔ تمہارا خاقان پاگل ہے اور جو خاقان کو صاحب عقل سمجھتا ہے وہ سب سے بڑا پاگل ہے ۔
پہلا سپاہی ۔ وہ کیسے ۔
تھرو بریک ۔ وہ ایسے کہ خون خرابے کرنے کے بجاے پچاس سال ٹھیر جاو تو مخالفین سب خود بخود مر جاتے ہیں ۔ اپنے ہاتھ سے مار کے ان کا پاپ اپنے سر لینا پاگل پن نہیں تو اور کیا ہے ۔ (چلا جاتا ہے)
دوسرا سپاہی ۔ بڑا مسخرہ ہے ۔ اس کی باتیں سننے میں مزا آتا ہے ۔
پہلا سپاہی ۔ ساتھ رہتا تو آج کے جشن کا لطف دو بالا ہو جاتا ۔
دوسرا سپاہی ۔ کیا وہ سچ مچ ایلچی ہوگا ۔ صورت سے تو ڈھنڈورچی معلوم ہوتا ہے اس مسخرے کو ایلچی کون بنائے گا ۔ ڈینگ مارتا ہے ۔ ایلچی ہوتا تو اب تک خاقان کے دربار میں نہ پہونچ جاتا ۔
(دونوں چلے جاتے ہیں)

# پانچواں ایکٹ

## تیسرا سین

(بحر خزر کے ایک غیر آباد جزیرے پر ایک ٹوٹے پھوٹے مکان میں سلطان علاء الدین خوارزم شاہ بستر مرگ پر پڑا ہوا زندگی کی آخری سانسیں لے رہا ہے۔ سلطان کے جسم پر پھٹے پرانے کپڑے ہیں۔ چہرے پر مردنی چھائی ہوئی ہے۔ آواز بھی کمزور ہو رہی ہے۔ پاس سلطان کا ولی عہد شہزادہ جلال الدین، فوج کا سردار اوزبک، اور مولانا نورالدین کھڑے ہیں)

**علاء الدین۔** اس غیر آباد جزیرے میں جہاں نہ کوئی چرندہ چرتا دکھائی دیتا ہے نہ کوئی پرندہ پر مارتا نظر آتا ہے تاتاریوں کے ہاتھ سے تو مجھے پناہ مل گئی۔ لیکن موت کے پنجے سے کہیں چھٹکارا نہیں...... جلال۔

**جلال الدین۔** ابا جان۔

**علاء الدین۔** میں نے سوچا تھا کہ تمہارے لیے دارا وجمشید کی سلطنتوں سے بڑی قلمرو چھوڑوں گا۔ لیکن اب خود مجھے دو گز زمین پر قناعت کرنا ہے۔

**جلال الدین۔** آپ ناحق ایسے مایوس خیالات دل میں لا رہے ہیں۔ ہمت سے کام لیجیے۔ ہمت سے مصیبت کے پہاڑ ٹل جاتے ہیں۔

اوزبک ۔ جہاں پناہ کا سایہ صد وسی سال ہمارے سروں پر قائم رہے
معمولی بیماری ہے۔ چند دنوں میں دور ہو جائے گی ۔
علاءالدین۔ یہہ معمولی بیماری نہیں اوزبک ۔ یہہ موت کا مرض ہے ۔
نورالدین۔ خدا شفا دینے والا ہے ۔ اس کی رحمت سے نا امید نہ ہونا چاہیے۔
علاءالدین۔ اگر وہ زندہ رکھے بھی تو میں کس امید پر جیوں ۔ میں تو اسی وقت
مرچکا جب دشمن نے مجھے بے تخت وتاج کر کے میری دولت کے
ساتھ میری بہنوں اور بہو بیٹیوں کی لاج لوٹ لی ۔ اب یہہ چلتی پھرتی
زندہ لاش دنیا میں رہ کے کیا کرے گی۔
نورالدین ۔ ہم گنہہ گار بندے اپنے گناہوں کی سزا بھگت رہے ہیں۔
علاءالدین ۔ کیا وہ لاکھوں انسان بھی گنہہ گار تھے جو فقط میری رعایا ہونے کے
جرم میں مارے گئے ۔ وہ بے گناہ جن کا سب سے بڑا جرم یہی تھا کہ
انھوں نے کوئی جرم نہیں کیا تھا ۔
نورالدین ۔ یہہ مشیت ایزدی ہے ۔ اس میں کسی کو دم مارنے کی مجال نہیں۔
جلال الدین ۔ جس ظالم نے یہہ ستم ڈھائے ہیں ۔ اسی دنیا میں اس کو سزا مل جائے
گی ۔ میں اس کی سرکوبی کروں گا ۔
علاءالدین ۔ اب کیا سرکوبی ہو سکتی ہے ۔ جب تمام لشکر غارت ہو گیا ۔ اس بے
سروسامانی میں دشمن سے لڑنا قضا سے پنجہ لڑانا ہے ۔
اوزبک ۔ اگر قسمت نے یاوری کی تو ہم قضا کا بھی پنجہ موڑ دیں گے ۔ ایک
لشکر غارت ہوا تو کیا ایسے دس لشکر جمع کر کے شہزادے کے
پرچم تلے غنیم کا مقابلہ کریں گے ۔
جلال الدین ۔ مرتے دم تک میں اس سے لڑوں گا ۔ یا وہ جیتا رہے گا یا میں ۔

علاء الدین ۔ چنگیز کو تم مار بھی ڈالو تو کیا ہوگا ۔ اس کی جگہ دوسرا چنگیز لے لے گا۔
جلال الدین ۔ ہم اس کا بھی خاتمہ کر دیں گے۔ اس کے جانشینوں میں کسی کو نہیں چھوڑیں گے۔
علاء الدین ۔ تم سمجھے نہیں ۔ جلال ۔ میں کچھ اور ہی کہہ رہا ہوں ۔ یہاں اس سنسان جزیرے کے اندر ۔ تنہائی کے دن اور پریشانی کی راتوں میں میں اپنی گذشتہ زندگی کے بارے میں سوچتا رہا ہوں ۔ کبھی کبھی میرے دل میں خیال آتا ہے کہ میں بھی اپنے دور حکومت میں چنگیز سے کم نہ تھا ۔ ہم سب چنگیز ہیں ۔ جس کے ہاتھوں میں آمرانہ اقتدار ہو وہ چنگیز ہے ۔ چاہے کوئی سلطان کہلائے یا خاقان ۔ بادشاہ کا خطاب پائے یا شہنشاہ کا ۔ سب اسی حیوانی طاقت کے مظہر ہیں جو دنیا میں بہ زور بازو حکمران ہے۔
نور الدین ۔ حضور کی طبیعت ناساز ہے ۔ اس لیے ایسے ڈراونے خیالات دل میں آرہے ہیں۔
علاء الدین ۔ تم سمجھتے ہو میرے دماغ پر اثر ہے ۔ مگر میں ہوش و حواس میں تم سے کہہ رہا ہوں ۔ مجھ میں اور چنگیز میں کوئی فرق نہیں ۔ میں نے بھی بے گناہوں کو قتل کیا ہے ۔ یاد کرو شیخ مجد الدین کا واقعہ ۔
جلال الدین ۔ ابا جان ۔ اب اس المناک واقعہ کی یاد تازہ نہ کیجیے ۔ ہم سب کے دلوں پر اس کا داغ ہے۔
علاء الدین ۔ اپنی والدہ پر میں نے شبہ کیا ۔ اپنی سگی ماں کی عزت کا خیال نہیں رکھا ۔ اور ایک پاک دامن بزرگ کو میں نے دریا میں غرق کروا دیا۔
اوزبک ۔ دغا بازوں نے حضور کو غلط باور کرایا تھا۔

نورالدین ۔ وہ جرم آپ سے قصداً سرزد نہیں ہوا تھا.........
اوزبک ۔ بلکہ حاسدوں نے آپ کو دھوکہ دیا تھا۔
علاءالدین۔ وہی ایک جرم نہیں........... اور بہت سے جرم میں نے
کیے ہیں......... کئی بے گناہوں کا خون میری گردن پر ہے۔
.......... چنگیز میں اور مجھ میں کوئی فرق نہیں.........
ہم سب کشورکشاؤں کی خاک میں اسی آگ کی چنگاریاں بھری ہیں
......... جس کو سلطنت ملے......... جس کے ہاتھ
میں شمشیر ہو........... ذرا غور کرو جب سے دنیا بنی
ہر ملک اور ہر زمانے میں کتنے چنگیز پیدا ہوے۔ اور اگر انسان اپنی
فطرت نہ بدلے تو آیندہ کتنے چنگیز پیدا ہوں گے۔
جلال الدین۔ ابا جان ۔ ان پریشان خیالات کو دل سے نکالنے کی کوشش کیجیے۔
اوزبک ۔ سلطان ۔ آپ ذرا آرام فرمایئے طبیعت کو سکون ہو جاے گا۔
علاءالدین۔ یہ شور کیسا۔ ہتیاروں کی یہ جھنکار کیسی.... زخمیوں کی یہ پکار۔
جلال الدین۔ یہ سب کچھہ وہم کی کارستانی ہے۔
علاءالدین ۔ عقل کام نہیں کرتی یہ کیسی لڑائی چھڑ گئی ہے جس میں جیتنے والے
ہار رہے ہیں ۔ اور ہارنے والوں کی جیت ہو رہی ہے۔
نورالدین ۔ ذہنی کشمکش میں بعض وقت انسان کو کچھہ کا کچھہ محسوس ہوتا ہے۔
علاءالدین۔ میں نے رات میں ایک خواب دیکھا تھا......... چنگیز پہلے
تو عام آدمیوں کی طرح گوشت پوست کا بنا ہوا نظر آیا۔ عام آدمیوں
کی طرح معمولی قد و قامت کا انسان......... پھر وہ اونچا ہونے

لگا۔ ........ . اونچا ہونے لگا۔ یہاں تک کہ اس کا سر
آسمان کی چھت سے جا لگا۔ ......... اور پھر وہ پھیلنے لگا
......... ساری دنیا میں پھیلنے لگا ......... اپنے قدموں
تلے کئی قوموں کو کچلتا ہوا۔ کئی ملکوں کو روندتا ہوا۔ ........
اور پھر میں نے دیکھا کہ یکایک ساری انسانی برادری سوگوار ہے
تمام دنیا ایک ماتم کدہ بن گئی ہے۔

جلال الدین ۔ ابا جان ۔ آپ ذرا نیند کی طرف دھیان دیجیے ۔

علاء الدین ۔ نیند کی فکر نہیں ......... حشر تک آرام سے سونا ہے ....
..... ہمیشہ کی نیند ............ میں تم سے
یہ کہنے والا تھا کہ ...... چنگیز کے .... جسم ..........
کو ہلاک کرنا ..... کافی نہیں ..... چنگیز کی ......... روح
......... کو فنا کر دو ......... ورنہ وہ خبیث روح
......... پھر اس دنیا میں آئے گی ......... پھر اندھیرے
اجالے ......... بھری آبادیوں پر منڈلائے گی ........
پھر وہی قیامت مچے گی ........... پھر اسی طرح ......
جند ......... خجند ۔ سمرقند ۔ بخارا مرو اور کرمان جیسے
......... بیسیوں شہر ویران ہوں گے ۔ ( آگے کچھ کہنا چاہتا
ہے مگر زبان رک جاتی ہے اور منکہ ڈھل جاتا ہے )

( مولانا نور الدین سلطان کے دل پر کان رکھ کر دیکھ لیتے
ہیں کہ اب کچھ باقی نہیں رہا ۔ اور پھر منہ پہ رومال اڑا دیتے ہیں )

نور الدین ۔ زندگی کی ساری مصیبتوں کا خاتمہ ہو گیا ۔

جلال الدین۔ (آنسو کو ضبط کر کے) دنیا کی سب سے بدنصیب ہستی آج دنیا سے اٹھ گئی۔ کہاں وہ چمکتا ہوا تخت زرین اور کہاں یہ لکڑی کا ٹوٹا ہوا تختہ۔

نورالدین۔ جب جان نکلنے کا ارادہ کر لے تو پھر کیا تخت اور کیا تختہ۔

اوزبک۔ خدا مرنے والے کو، اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔

جلال الدین۔ (میت کو کچھ دیر گھورتا ہے) وہ آنکھیں جو تقدیر انسان کو بدلنے کا خواب دیکھتی تھیں۔ بند ہوگئیں۔ وہ دل جو گردش دوران کو پلٹ دینے کے منصوبے باندھتا تھا بے حرکت ہوگیا۔ (کچھ دیر خاموشی کے بعد) اوزبک۔ مرحوم کے کفن دفن کا انتظام کرو۔

اوزبک۔ (انتہائی یاس و غم سے) میرے آقا۔ گھر میں کفن کے لیے کپڑا نہیں۔

(جلال الدین مبہوت ہوکر مولانا نورالدین کا منہہ تکنے لگتا ہے)

نورالدین۔ قدرت کی شان بے نیازی کے آگے ہم چوں وچرا نہیں کرسکتے۔ وہ جسے چاہے زمین سے آسمان پر پہونچا دے اور جسے چاہے آسمان سے زمین پر گرا دے۔

جلال الدین۔ (بھرائی ہوئی آواز میں) انہی کپڑوں سے دفن کردو۔ جو وہ اس وقت پہنے ہوے ہیں۔ (اب تک سب ضبط کیے ہوے تھے لیکن اب رو پڑتے ہیں)

نورالدین۔ (آنسو پونچھ کر) دنیا بھی عجب عبرت کا مقام ہے۔ کل تک جو چار اقلیم کا مالک تھا آج دو گز کفن کا محتاج ہے۔

جلال الدین۔ (پورے عزم و ہمت کے ساتھ) میرے مرحوم باپ کی روح گواہ رہے میری شہید بیوی اور معصوم بچے کی روحیں گواہ رہیں۔ ان لاکھوں

بے گناہوں کی روحیں گواہ رہیں جن کے جسم خاک و خون میں سڑ رہے رہے ہیں۔ میں اپنے دل کی گہرائیوں سے عہد کرتا ہوں کہ جہاں تک انسانی طاقت سے ممکن ہے آخر دم تک میں چنگیز کا نام صفحہ ہستی سے مٹانے کی کوشش کروں گا۔

نورالدین۔ چاہے وہ لڑائی کے میدان میں مارا جائے یا بستر پر اپنی ناپاک موت مرے اس کی قبر کا نشان تک دنیا میں باقی نہ رہے گا۔ آنے والی نسلیں اس کے پائے تخت کو صحرائے گوبی کی ریت میں ڈھونڈیں گی مگر کہیں اس کا پتہ نہیں چلے گا۔ اس کی وسیع سلطنت۔ انسانی ڈھانچوں پر تعمیر کی ہوی پلید سلطنت، پانی کے نقش کی طرح محو ہو جائے گی مال و دولت۔ ساز و سامان۔ گنج اور خزانے سب لٹ جائیں گے صرف اس قاتل کا افسانہ رہ جائے گا۔ ....... آنسو اور خون سے لکھا ہوا افسانہ۔

(جلال الدین کا خاص ملازم، مسرور داخل ہوتا ہے)

مسرور ۔ بخارا کے چند شہری چنگیزی لشکر سے فرار ہو کے آئے ہیں اور شہزادے سے کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں۔

جلال ۔ مسرور۔ یہہ وقت عرض معروض کا نہیں۔ تم دیکھتے نہیں ہم کس حال میں ہیں۔

مسرور ۔ میں نے ان لوگوں سے کہا۔ مگر انھیں اصرار ہے کہ وہ جو اہم خبر سنانا چاہتے ہیں اسی وقت سرکار کے گوش گذار کریں۔

جلال ۔ وہ کون لوگ ہیں۔

مسرور ۔ ایک بوڑھا سوداگر اور اس کا نوجوان لڑکا اور اس نوجوان کی بیوی

ان کا کہنا ہے کہ حضور انھیں جانتے ہیں۔

جلال۔ اچھا ابھی حاضر کرو۔ (مسرور چلا جاتا ہے)

ازبک۔ بخارا میں تو کوئی زندہ نہیں بچا۔ پھر یہہ شہری کس طرح بچ نکلے ہونگے۔

نورالدین۔ ابھی پتہ چل جائے گا۔

(مسرور۔ مرزا احسان تحسین اور فرحانہ کو ساتھ لیے آتا ہے۔ یہہ تینوں نوواردجو بہت تباہ حال نظر آتے ہیں داخل ہوتے ہی ادب سے شہزادے کو سلام کرتے ہیں۔)

جلال۔ کون! مرزا احسان۔ تحسین اور فرحانہ!! تم لوگ ابھی زندہ ہو؟

مرزا احسان۔ حضور کے اقبال سے ایک بہت ہی بڑی خوشخبری لے کے آئے ہیں۔

جلال۔ مرزا احسان۔ اس وقت جب کہ ساری دنیا تباہ ہو رہی ہے کونسی خبر دل کو خوش کر سکتی ہے۔

تحسین۔ عالی جاہ۔ دنیا کو تباہ کرنے والا خود تباہی کے غار میں ڈھکیل دیا گیا۔

اوزبک۔ کیا کہا۔ کیا چنگیز۔

تحسین۔ اپنے کیفر کردار کو پہنچا دیا گیا۔

نورالدین۔ ہم یہہ کیا سن رہے ہیں۔ ساری دنیا کی طاقتیں جس کو نیچا نہ دکھا سکیں۔

مرزا احسان۔ موت کے پنجے سے کوئی نہیں بچ سکتا۔ امیر نہ فقیر نہ تاجور نہ گداگر۔

تحسین۔ ہماری سلطنت کے شہروں کو تاراج کرنے کے بعد جب چنگیزی لشکر خوشی کے شادیانے بجاتا ہوا دشت گوبی کو لوٹ رہا تھا اور تمام افسر اور سپاہی فتح کے نشہ سے متوالے ہو رہے تھے عین اس جشن کے دوران میں فرحانہ کے حسن تدبیر سے ........

جلال۔ فرحانہ۔ وطن کی بہادر لڑکی۔ آخر ایسا ناممکن کارنامہ کیسے سرانجام

پا سکا۔

فرحانہ۔ وہ مجھے اپنے حرم میں داخل کرنا چاہتا تھا اور مجھے بہ جبر راضی کرنے کے لیے قید میں ہم تینوں کو طرح طرح کی سزائیں دی جاتی تھیں۔ آخر ہم نے سوچا کہ یوں ظالم کے قید خانے میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر جان دینے کے بجائے اپنے وطن کے لاکھوں بے گناہوں کے خون کا بدلہ کیوں نہ لیا جائے۔

اوزبک۔ قدرت کے عجیب کھیل ہیں۔ جو کام طاقتور فوجیں نہ کر سکیں وہ ایک کمزور لڑکی نے کر دکھایا۔

نور الدین۔ ذرا تفصیلات سنانا۔ کئی برس کے بعد ایسی خبر سننے میں آئی ہے۔

مرزا احسان۔ تفصیلات بعد میں بیان کریں گے۔ مختصر یہ ہے کہ فرحانہ نے ہمارے مشورے سے اس شرط پر رضامندی کا حیلہ کیا کہ ہم سب کو رہا کر دیا جائے۔ اور جب یہ شرط پوری کی گئی اور بناؤ سنگھار کر کے فرحانہ کو چنگیز کے خیمے میں پہنچایا گیا تو اس نے شراب کے پیالے میں زہر ملا کر اس فتنۂ عالم کو ہمیشہ کی نیند سلا دی۔

جلال۔ شاباش۔ زندہ باش۔

اوزبک۔ پھر تم سب لوگ بچ کے کیسے نکلے۔

تحسین۔ اس واقعہ کے بہت عرصہ بعد لشکر میں خبر ہوی۔ دوسرے دن دیر گئے تک سب اسی خیال میں تھے کہ خاقان نئی ملکہ کے ساتھ عیش کی گھڑیاں گذار رہا ہے اور کسی کی مجال نہ تھی کہ خیمے میں قدم رکھے۔

احسان۔ پھر بھی ہم تینوں کو لشکر سے بھاگ نکلنے میں کئی مشکلوں کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن حضور کے اقبال سے صحیح سلامت بچ کر نکل آئے۔

جلال ۔ یارب ۔ تیرا شکر ہے ۔ ابھی میرا جنت نصیب باپ سپرد خاک بھی نہ ہونے پایا کہ تو نے اس کے سب سے بڑے دشمن کو جہنم میں دھکیل دیا.......... اب مجھے اپنے ملک کو آزاد کرانے میں دیر نہ کرنی چاہیے ...... مولانا۔ آپ والد مرحوم کے تمام رسوم آج ہی انجام دلوادیں........ اوزبک ۔ کل ہم یہاں سے روانہ ہوں گے ۔ یہہ تینوں وفادار جانباز بھی ہمارے ساتھ چلیں گے ۔ میں پھر ایک نیا لشکر جمع کروں گا ۔ اور نئے عزم نئے جوش وخروش کے ساتھ اس سرزمین کو دشمنوں کے ناپاک قدموں سے پاک کرانے کی جان توڑ کوشش کروں گا ۔

(سب جانے لگتے ہیں)

اوزبک ۔ (جاتے جاتے) ہمارا خون اور ہمارے آنسو اکارت نہیں جائیں گے ۔ اس خون سے ہمارے خاک دان پر نئے نئے گلزار اگیں گے ۔ ان آنسوؤں سے حیات کے نت نئے سوتے پھوٹیں گے تمام برباد کیے ہوے شہر دوبارہ آباد ہوں گے ۔ تمام اجڑی ہوی بستیاں پھر سے بسیں گی ۔ اور پرانی دنیا کے کھنڈر پر ایک نئی دنیا تعمیر ہوگی ۔ ایک خوش حال پرامن اور آزاد دنیا ۔

( پردہ )

(مطبوعہ)

نیشنل فائن پرنٹنگ پریس چارکمان

(حیدرآباد دکن)

کتبہ : سید محمد خوندمیری چنچل گوڑہ

# انجمن ترقی اردو (حیدر آباد دکن) کی دوسری کتابیں

(۱) گوتم بدھ ۔ طویل نظم (اردو اور ناگری رسم خط میں)
از : محمد فضل الرحمن ۔ قیمت : ایک روپیہ

(۲) سقراط ۔ تین ایکٹ کا تاریخی ڈراما ۔ از : محمد فضل الرحمن قیمت ۔ ایک روپیہ چار آنہ

(۳) روحِ ادب ۔ حصۂ اول و دوم ۔ انتخاب نظم و نثر اردو
قیمت : ایک روپیہ آٹھ آنہ فی حصہ

(۴) مضامین قاضی عبدالغفار ۔ ہندوستان کی چند سیاسی اور ادبی شخصیتوں کے بارے میں قاضی عبدالغفار صاحب مرحوم کے مضامین کا انتخاب

(۵) لسانیات ۔ از : پروفیسر عبدالقادر سروری

(۶) سماجی انسانیات ۔ از : فاطمہ شجاعت

(۷) بچوں کی کتابیں : مزیدار کہانیاں ۔ بچوں کے گیت ۔ چند بڑے آدمی اور ہونہار (ڈراما) قیمت مکمل سٹ : دو روپیہ

ملنے کا پتہ

اردو ہال ۔ حمایت نگر ۔ حیدر آباد دکن
یا دوسرے کتب فروش